بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستانی مسلمانوں کی

دینی وملی حیثیت

مصنف

شیخ عبدالمعید مدنی

ناشر

معبودی پبلیکیشن

1620،گلی تاجران،سوئی والان دریا گنج،نئی دہلی۔۲

نام کتاب	:	ہندوستانی مسلمانوں کی دینی وملی حیثیت
تالیف	:	شیخ عبدالمعید مدنی
کمپوزنگ	:	فرحان گرافکس، جامع مسجد دہلی۔۶
ناشر	:	معبودی پبلیکیشن
سنہ اشاعت	:	2014
قیمت	:	
فون	:	09811462470

ملنے کا پتہ

''الاحسان اکیڈمی'' السعود میڈیکل روڈ،علی گڑھ (یو۔پی)

1620،گلی تاجران،سوئی والان دریا گنج،نئی دہلی۔۲ (09811462470)

الہدیٰ پبلیکیشن ،409،مٹیا محل جامع مسجد،دہلی۔۶ (09999029389)

ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی وملی حیثیت

آزاد ہندوستان میں مسلم سیاست کانگریس کی قومی سیاست کا حصہ بن کررہ گئی تھی اوراب تک کم وبیش یہی ہوتا رہا۔اور یہ حصہ داری اختیاری نہیں جبر یہ تھی، ان کو یہ احساس دلایا گیا تھا کہ مسلم لیگ کی سیاست مجرمانہ سیاست تھی اس لئے کفارے کے طور پر مسلمان آزاد ہندوستان میں اپنا کوئی فریم ورک نہ رکھیں ،ان کو ملک کی منافقانہ سیاست میں آنکھ کان بند کرکے حصہ لینا چاہیے۔ یہ مجبورانہ سیاسی حصہ داری آج تک قائم ہے۔ مسلمانوں پر یہ جبراس قدر لاددیا گیا ہےاورانہوں نے فرماں برداری کے ساتھ اس جبر کو اپنے اوپرلا دلیا ہے کہ جبرہی ان کے سارے مسائل میں فیصلہ کن ہےاور یہ جبران کولا چاری اورمجبوری کی سطح پر لے آیا ہے۔مراعات ان کو جبر کے حوالے سے ملتی ہیں۔تعلیمی سہولتوں میں جبر داخل ہے۔سماجی مشکلات میں جبر داخل ہے۔اقلیتی کردار پر جبر مسلط ہے۔ملکی ترقیوں اوران میں حصہ داری میں جبر کارفرما ہے۔فرقہ وارانہ فسادات جبر کے آئینہ دار ہیں۔اور جبر کی سب سے قبیح ترین صورت ہے مسلم نوجوانوں کے خلاف ریاستی اورقومی حکومت کا جابرانہ رویہ۔ ہر باشعور دین پسند اورحساس نوجوان ان کے نزدیک مشکوک ہے اور کسی نہ کسی بہانے اسے مجرم بننا ہے۔

کانگریس سے گھبرا کر اگرانہوں نے کبھی کسی دوسری پارٹی کا سہارا لیا ہےتواس نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کیا ہےاورنظام جبر کے مطابق ہی ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔ یہ تو سیکولرزم کی دعوی دار سیاسی پارٹیوں کا رویہ ہےاورانتہا پسند سفاک فرقہ پرست پارٹیوں اورلیڈروں کا خواب تو یہ ہے کہ انھیں صفحہ ہستی سے مٹادیں۔

یہ توسب کومعلوم ہے کہ مسلمانوں کا منصب اس دنیا میں قیادت کا ہے اور جب منصب قیادت پر فائز قوم اپنی حیثیت کھودیتی ہےتو اسے دوہری پستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے

ایک منصب قیادت کھونے کی اوردوسرے مجبوری اور ماتحتی کی۔ دوسروں کے لئے مجبوری اور ماتحتی اس قدر تکلیف دہ اورمضرنہیں ہوئی ہے جس قدر امت محمدﷺ کے لئے ہوئی ہے ۔اسلام دین کامل ہے،اس کی فطرت ہے کہ اسے غلبہ حاصل ہواورمیادین حیات میں اس کی مکمل کارفرمائی ہو۔اس کی کارفرمائی اس لئےضروری ہے تاکہ دنیا میں امن وامان قائم ہو اورلوگوں کوانصاف ملےاوران کی دنیاوآخرت سنور جائے اوراسلام جب کارفرمانہیں ہوتا توزمین فتنہ وفساد سے بھرجاتی ہےاورنظام حیات درہم برہم ہوجاتا ہے۔

بہرحال ہندوستان میں مسلمانوں کی جبری سیاسی حصہ داری نے انھیں مفلوج بنا کر رکھ دیا اوراس سلسلے کو سیاست،تعلیم، میڈیا اور انتظامیہ کے ذریعہ اتنا مضبوط بنا کر رکھا جاتا ہےاور مسلسل مسلمانوں کواس کی تلقین کی جاتی ہے کہ ان کو یقین ہوجاتا ہے کہ وہ اس ملک میں تمام تر دستوری حقوق کی یقین دہانیوں کے باوجود لاوارث ہیں اورفقط عنایتوں پر جینے کے مستحق ہیں اوران کا تاریخی مجرمانہ کردار ہےاوریہی بات عمومی طور پر منوائی جاتی ہےاوریہی عمومی رائے بنتی ہے۔اور پھر مسلمانوں کی یہی عام شبیہ بنادی جاتی ہے۔

اگرکسی قوم کومجرمانہ شبیہ کے ساتھ جینا پڑےتواس پوزیشن میں نہیں ہوتی کہ وہ اپنے آپ کوسنبھال سکےاورخودکفیل، باوقاراور باعزت قوم بن سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ان کی یہ ذہنی حالت ان کی بےبسی اورپستی کی بہت بڑی وجہ ہے۔اس ذہنی حالت کو بدلنا اوران کے اندرخوداعتمادی پیدا کرنا وقت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔اس بےاعتمادی اورغلط شبیہ کے مسلمان قیدی ہیں اوراس کا استحصال آزادی کے بعد سے مسلسل ہورہا ہے۔اسے ان کی پہچان بنادی گئی ہےاورآزادی کے بعد سے اب تک انھیں ان کی صحیح پہچان نہیں مل پارہی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی شناخت،خوداعتمادی اوران کی صحیح پہچان ان کی جبریہ سیاسی حصہ داری کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔

ملک کی سیاسی پارٹیوں کی استحصالی روش،شدت پسندوں کی نفرت وحقارت اورانتہا زی سیاست کی مفاد پرستی کبھی مسلمانوں کے لئے ایسا ماحول میسر ہونے نہیں دے سکتی جس

میں ان کی خوداعتمادی بحال ہو، ان کی صحیح شناخت قائم ہوسکے اور وہ ملک کے دستوری حقوق
اور امکانات کے مطابق اپنا ایجنڈہ طے کرسکیں اور اپنا لائحہ عمل بناسکیں اور اپنی ساری تہذیبی،
ثقافتی، معاشی و تعلیمی ترقیوں کے لیے سرگرم ہوسکیں۔

اس جبر و استحصال کے ماحول میں مسلمان مسلسل پستی کی طرف جارہے ہیں
اور ہر میدان میں بحیثیت مجموعی دلتوں سے پیچھے جاچکے ہیں۔ خود عام مسلمانوں کی معنوی
اور اخلاقی حالت اس حد تک گرگئی ہے کہ وہ اس لائق نہیں رہ گئے ہیں کہ خود کسی عملی اخلاقی فکر
ی و تنظیمی حصول یابیوں کے معیار پر اترسکیں۔ لوگ جب پستی میں اترتے ہیں اور نقوش راہ
ان کے سامنے نہیں رہ جاتے ہیں تو بکھراؤ کے شکار ہوتے ہیں اور افسوس یہی بکھراؤ ہمارا
سرمایہ بن گیا ہے۔

جبر و استحصال تزلف کا مزاج بناتا ہے۔ اصالت اور اصلیت کا جب فقدان ہے
تو انسان کے اندر ایک خلا پیدا ہوتا ہے اور اس خلا کو تزلف بھرتا ہے۔ ایک سرسری نظر ڈالیے
یہ طے ہوجائے گا کہ کسی سیاسی پارٹی سے انتساب رکھنے والے نیتا کس قماش اور رویے کے
لوگ ہیں۔ شاذ و نادر ایسے لوگ ملیں گے جو تزلف کے روگ سے محفوظ ہیں۔ انسان جب
کسی کی قربت کا خواہش مند ہوتا ہے اور تزلف اس کی عادت بن جاتی ہے تو وہ خوشامدی بن
جاتا ہے اور خوشامدی سے لے کر آقا و ماتحت کا درجہ قائم ہوجاتا ہے اور اس کے سامنے صرف
یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ آقا کو خوش رکھے اور عنایتوں کا خواہش مند رہے۔ بدقسمتی سے عموما
مسلم سیاست طبعی طور پر تزلف پسند، خوشامدی، خوشنودی کا طالب اور عنایتوں کا خوگر بن چکی
ہے۔ ایسی صورت میں ان کی سیاست کاری سے ان کا توصحیح یا غلط فائدہ ہوسکتا ہے لیکن
مسلمانوں کا بحیثیت ملت فائدہ ہو ہمیشہ مشکوک بنا رہتا ہے۔

جب تزلف پسند سیاست میدان میں ہو تو نہ کسی قوم کے حقوق منواسکتی ہے، نہ انھیں
تحفظ دے سکتی ہے، نہ ان کے مسائل حل کرسکتی ہے۔ ایسی حالت میں انھیں الجھایا جاسکتا
ہے اور انھیں مشکلات میں پھنسایا جاسکتا ہے۔ اور اس ملک میں مسلمانوں کے ساتھ یہی

سب کچھ ہوا اور ہورہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات، مسلم پرسنل لاء میں مداخلت، اردو زبان کا
مسئلہ، مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار، بابری مسجد کا انہدام اور پھر دہشت گردی کا الزام، یہ
اور اس طرح کے مسائل میں مسلمانوں کو الجھا کر ان کی توانائی طاقت، وحدت اور اوقات کو
برباد کرنے کی کوشش کی گئی، انھیں کبھی ترقی کی راہ دکھلانے اور ان کی خوداعتمادی بحال
ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔ ان کو غیر مرئی اتفاق کے تحت ساری سیاسی پارٹیوں نے کرپشن
کرنے کی کوشش کی۔ اور اب تک کرپشن کررہی ہیں۔

مفاد پرست، تملق پسند اور تزلف پسند مسلم سیاسی نیتا اور سیاسی نیم سیاسی مسلم تنظیموں
نے ہمیشہ مسلمانوں کو شکار کے طور پر ملت کو سیاسی درندوں کے سامنے پیش کیا اور اس کی
قیمت کھاتے رہے۔ اور اب تک ایسے لوگ اور ایسی سیاسی نیم سیاسی تنظیمیں یہی کام کررہی
ہیں۔ ان کی افادیت اور مضرت جو بھی ہے سامنے ہے۔

اس سیاسی جبر کے ماحول میں ایک رجحان یہ بنا ہے کہ مسلمان خود کو مجرم مان لیں اور
خودسپردگی کی سیاست اختیار کرلیں اور یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو غلط کار مان کر سیاست
کریں۔ اس خودسپردگی کی سیاست یا یک طرفہ طور پر اپنے کو غلط مان کر سیاست کرنے
والوں کی ایک مختصر سی تعداد ہے۔ یہ سیاست وحید خانی سیاست ہے۔ ان کے نزدیک بھگوا
سیاست بھی درست ہے اور فاشسٹ سیاست بھی درست ہے اور سب کے ساتھ غیر مشروط
تال میل اور تعاون کرنا چاہیے۔ اس سیاست میں دین ایک نجی مسئلہ ہے۔ اور پوری زندگی
کسی بھی نظام کے تحت گذاری جاسکتی ہے۔ اس رجحان کے پیچھے صلح حدیبیہ کو بتایا جاتا ہے۔
صلح حدیبیہ کو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم قرار دیا ہے۔ یہ صلح مدینہ کی اسلامی ریاست کا مکہ کی
کافر سٹی اسٹیٹ کے درمیان معاہدہ تھا اور جس کالکولیشن کے تحت رسول اکرم ﷺ نے یہ
صلحنامہ منظور کیا تھا سو فیصد درست تھی صلح کے فورا بعد رب پاک نے اسے فتح عظیم قرار دیا
تھا۔ رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے وقت اسلامی ریاست کے سربراہ تھے اور غزوہ خندق کے
بعد جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی طاقت بن چکے تھے۔ حدیبیہ کی صلح کے موقع پر مکہ والے

ایک کمزور طاقت بن کر رہ گئے تھے۔ان کی ضد اور انا تھی کہ اکڑ دکھلا رہے تھے اور مستقبل نہیں دیکھ پا رہے تھے اور رسول گرامی ﷺ اپنے نور بصیرت سے مستقبل دیکھ رہے تھے۔ آپ کو اندازہ تھا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔کفار مکہ کے کڑے شرائط خود ان کے لئے وبال جان بن گئے۔

صلح حدیبیہ کو اقلیت کا ماڈل قرار دینے والے سیرت وتاریخ سے بے خبری کا مظاہرہ کررہے ہیں اور اسے مادی مفاد کے حصول کی امید میں مس کوٹ کرتے ہیں اور اس صلح سے متعلق وہ سارے حقائق نظر انداز ہو جاتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ہم یہاں اقلیت ہیں اور اکثریتی فرقہ کلا یا جزء جارح ہے، غالب وطاقتور ہے۔ یہاں صورت حال صلح حدیبیہ کی صورت حال کے بالکل برعکس ہے۔صلح حدیبیہ میں غلبہ اور جیت کا مسئلہ متحقق تھا اور یہاں خودسپردگی اور ایک طرفہ طور پر خود کو غلط مان لینے کا وہمی اور احمقانہ عمل ہے۔

خودسپردگی خودکشی کے مترادف ہے۔ایسا رجحان رکھنے والے وقتی ذاتی مادی مفادات کے حصول کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور ان مفادات کے حصول کو معراج حیات جانتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ غیر فطری، غیر مطلوب اور ناپسندیدہ رجحان کے حاملین نا کے برابر ہیں اور جن نیتاؤں نے یہ راستہ اختیار کیا وہ بے نام ہو کر رہ گئے۔

مسلم سیاست کا ایک رخ تحریکی ہیں۔تحریکیوں کی غیر مستقر بے اصل وہمی سیاست کاری نے کئی ناحیوں سے آزاد ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے آخری حد تک مضر تھی اور ہے۔ان کی تضاد بھری سیاست ملت کے لئے سم قاتل ثابت ہوئی۔ان کی سیاست خواہ منافقانہ ہو یا احمقانہ یا تضاد بھری کل کا کل نمائش اور سازش سے تعبیر ہے۔ایک طرف سیکولر اسٹیٹ کی زمینی حقیقت سے فرار اور ایمرجنسی تک انتخاب میں حصہ داری حرام تھی اور اسے شرک فی الحاکمیۃ کہا جاتا تھا۔ پھر یہ سیاسی ترہب یا سیاسی برت ٹوٹا تو سیدھے آر ایس ایس ہی سے یاری پسند آئی۔دوستی کی پینگیں بڑھیں تو بالاجی دیورس نے انھیں الٹے پاؤں واپس کر دیا۔ تضاد کم فہمی فکری ہلکا پن دیکھئے۔ زمینی حقائق درخواعتناء ہی نہ تھے ایک انتہا پسندی

پھر کفر ایسا بھایا کہ اسلامی حکومت کے تصور سے سیدھے بھگوا انتہا پسندی کی دوستی کی طرف لڑھک گئے لیکن ان کے نزدیک معتبر نہ ٹھہرے۔ ایک گرام سماج کے الیکشن میں کسی کنڈیڈیٹ کو جتانے کی سکت نہیں نہ ووٹ لیکن اندرون ملک اور بیرون ملک یہ دکھلانے کا شوق کہ ہندوستانی مسلمانوں کے آقا وہی ہیں اور ملک کی سیاست میں وہی روح رواں ہیں۔ یہ بڑبولا پن نمائش اور سازشی ذہن نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ انتخاب میں شراکت ہی کی بات اب نہ رہی اور ووٹ دینا واجب ہی نہ ٹھہرا بلکہ ایک عدد سیاسی پارٹی بھی کھڑی ہو گئی۔ (ویلفیر پارٹی) خود مالکانہ حقوق پر قابض اور چند یتیم ویسیر اور بے ضرر قسم کے لوگوں کو دوسری تنظیموں سے منسوب دکھلا کر پارٹی میں شامل کر لیا گیا ہے تا کہ اسے قومی پارٹی کا درجہ مل جائے اور بڑی چالاکی سے انھیں استعمال کیا جاتا رہا۔ یہ ہے نمائش اور سازش۔ایک طرف تحریکیوں کی سیاسی پارٹی قائم ہو گئی ہے، دوسری طرف منافقت دیکھئے اخبارات میں تنظیم کے امیر دو بڑوں کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں اور بیان آتا ہے ہم کسی بھی پارٹی کی حمایت کر سکتے ہیں اور پھر منشور شائع ہوتا ہے۔آخر یہ سب ناٹک کیسا؟ نمائش، خوش فہمی، نفاق کیا اس سے ملت کا کچھ بھلا ہوگا؟ انسان کو اپنی اوقات میں رہ کر سرگرمی دکھلانی چاہیے۔ رعونت، جھوٹی دعوی داریاں، اکڑ اور شیخی کے سوا ایسی سرگرمیوں سے کیا ملے گا۔عجیب بات ہے یہ خوش فہمیوں کی جنت میں کب تک جیتے رہیں گے اور کب تک نمائش کا کام کرتے رہیں گے؟ کیا انھیں اس کے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا؟

تحریکی سیاست کا ایک خوفناک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک مجہول اتحاد کی بات کرتے ہیں اور اس مجہول اور مرفوض اتحاد کے ایسے چمپین بنتے ہیں جیسے سارے جہاں کا درد ان کے دل میں ہے، جب کہ تضاد یہ ہے کہ حزبیت پرستی میں اتنے اندھے ہیں کہ لگتا ہے ان کے فطام بھی دانشور ہیں اور ان کے جہال بھی علام ہیں اور دیگر علماء اور تعلیم یافتہ جہالت کی سرٹیفکٹ لے کر پیدا ہوتے ہیں اتنے خود پسند، متعصب اور حزبیت میں اندھے یہ مصیبت کے سوا کیا ہیں۔ یہ داء عضال ہیں جس کا علاج نہیں کہیں بھی خاص کر ان کے لونڈوں کو دیکھ لیں ایسا

لگے گا جیسے علم وشعور کا بوجھ ان کے اوپر اتنا زیادہ لدا ہوا ہے کہ زمین ان کے بوجھ کا متحمل نہیں
ہے، یہ بھی قارون کی طرف راہ اپنانے پر تلے ہیں جہل ودجل کے یہ تراشے عجیب تضاد
اورنفاق کے شکار ہیں۔ یہ جمہوریت کی بات بھی کرتے ہیں اور حکومت الہیہ کے قیام کو عین
مقصد بھی بتلاتے ہیں۔ یہ نفرت بھی کرتے ہیں اور محبت کا دعوی بھی کرتے ہیں۔ یہ اتحاد کی
بات بھی کرتے ہیں اور اتحاد سے دشمنی کے سارے اسباب بھی فراہم رکھتے ہیں۔ جب اتحاد
کی بات کریں گے تو کفر واسلام، شرک وتوحید، سنت وبدعت، ایمان وعصیان، حق وباطل
اور شریعت، جمہوریت کو ایک بنا دیتے ہیں اور سب ان کے نزدیک قابل تسلیم اور مخالفت
ایسی شدید کہ اپنے سوا کسی کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں اور تمام سنی جماعتوں کے
بالمقابل ۳۴ سالوں سے خمینیت کے عاشق نامراد بنے پھر رہے ہیں۔ وہ خمینیت جس نے ان
تحریکیوں کی ساری جھود کو اپنے حق میں استعمال کر کے ان کو بے وقوف بنایا ہے اور سینوں کو
ہلاک کیا ہے اور یہ اپنی ناکامیوں کو بھی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔ اسی لئے لوگ اپنے تجربوں کی
بنیاد پر کہتے ہیں ایک تحریکی کہیں بھی سازش کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور یہی ملت اسلامیہ کی
تباہی کے لیے کافی ہیں۔

تحریکیوں سے منتسب عجیب عجیب سر پھرے لوگ، ادارے اور پارٹیاں پیدا ہوگئی ہیں
اور سب کا کام لوٹ کھسوٹ مچانا، انتشار پیدا کرنا اور تبختر کا مظاہرہ کرنا ہے، کہیں طلبہ تحریک
کے نام پر کھوٹے نامناسب ونازیبا لوگ، نازیبا اعمال وافعال ہیں۔ کہیں تعلیم کے نام پر
لوٹ کھسوٹ ہے، کہیں شیر خواروں کا ملی پارلیامنٹ ہوا کرتا تھا اور اب انکار حدیث کا مشن
ہے، کہیں ملت کے نام پر ملت فروشی ہے، کہیں سیاست کے نام پر ہڑبونگیوں کا گروپ ہے
اور احمقانہ نعروں سے فضا کو مکدر کیا جاتا ہے اور ان بے جا ہنگاموں سے ایسے غوغائی سیاسی
بونے پیدا ہوگئے ہیں کہ ملت کے لئے وبال جان ہیں۔

اتحاد کے نام پر انہوں نے مجلس مشاورت کو کھالیا اور اب اس کے ہیڈ آفس پر قبضہ
جما کر بیٹھ گئے ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ میں نقب زنی کے لئے ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں

اور جب بھی مسلکی نزاع اٹھتا ہے تو بندر بانٹ ترازو لے کر انصاف کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔
دوسری تنظیموں کے ساتھ یہ شماتت اعداء کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ہلدی کی گانٹھ پر پنساری
کی دکان لگانے والے یہ ہڑبونگی اور اراجیفی تحریکی مسلم سیاست کاری کی سب سے ناکام
شکل ہے۔ یہ ذہنی الجھن، انتشار ہڑبونگ اور شیخی کو اپنی سیاست کاری کی اساس بنائے
ہوئے ہیں۔ ان کا تضاد پسند مزاج، نمائش اور سازش میں رچی طبیعت ملت اور انسانیت
کے لیے سب سے بڑی الجھن ہے۔

آئے دن دنیا کے تحریکیوں اور شیعوں کے لیے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں اور سارے
حقائق سے آنکھ بند کر کے جرائم کی حمایت اور مظلومین کی مذمت کو ایمان کا درجہ دیئے ہوئے
ہیں اور آخری حد تک ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیخ چلی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔
بگڑی ذہنیت کے سبب ان کو ہمیشہ رانگ سائڈ ہی رائٹ سائڈ نظر آتا ہے اور یہ مشکل انھیں
ان کی پوری تاریخ میں حق کی توفیق ملی ہے۔ جب انسان کبر ونخوت اور باشعوری کا معاندانہ
رویہ اپناتا ہے تو اس کو محرومی اور باطل پرستی ہی ملتی ہے۔

اس تحریکی اندھی سیاست کاری کا اثر بس ہوہا تک ہی ہے اور سرپھروں کی ایک معمولی
تعداد تک محدود ہے لیکن ان کی نمائش، سازش اور فساد انگریزی کا شہرہ ضرور ہوجاتا ہے۔
اگر یہ اپنا شتر غمزہ ختم کردیں تو ملت کو بڑی راحت مل جائے گی۔

ملت اسلامیہ کے لیے درد رکھنے والی بہت سی علاقائی مسلم پارٹیوں اور شخصیتوں نے
اپنے اپنے طور پر ملت کی شیرازہ بندی کے لئے مختلف کوششیں کی ہیں لیکن وہ زیادہ دیر تک
اور دور تک چل نہیں سکیں۔ عموما مسلمانوں کی وابستگی ملک کی قومی یا علاقائی پارٹیوں سے ہی
رہی اور عموما مسلم لیڈر بھی قومی اور علاقائی سیاسی پارٹیوں سے وابستہ رہے ان کی ان
پارٹیوں سے کلی وابستگی نے انھیں کا بنا کر رکھ دیا پھر ان کو نہ اس کی صلاحیت رہی کہ ملک کی
مسلم اکائی کے مسائل، مشکلات حیثیت اور مرتبت کو سمجھیں اور ان کی دینی ملی اور ملکی پوزیشن
کو جانیں، نہ دلچسپی ان کا کام بس یہ رہ گیا کہ مسلم کی حیثیت سے مسلم اقلیت کو اپنی پسندیدہ

پارٹیوں کے قریب لائیں اس کے سوا انہوں نے کچھ نہ جانا نہ سمجھا اور جن لوگوں نے مظلوم مسلم اقلیت کے حق میں آواز اٹھائی انھیں مختلف طریقوں سے خاموش کر دیا گیا اور وہ بے اثر ہو کر رہ گئے۔ ان کی بے بسی کا حال کس کو نہیں معلوم ہے۔ مسلمان بس سیاسی پارٹیوں کے لیے مال غنیمت ہیں جو زیادہ لوٹ سکے اور انھیں اپنی طرف لالچ، دھونس، دھاندلی، فریب اور خوشنما وعدوں سے کھینچ لے بس اس کے ہیں۔ ان کے لیے چھوٹی بڑی ساری پارٹیاں یکساں ہوگئی ہیں فرق صرف وقتی ضرورتوں اور لب و لہجے کا رہ گیا ہے۔

مسلمانوں کی سیاست خواہ کسی پارٹی کے ساتھ میں رہ کر ہو اور خواہ وہ کسی بھی پارٹی کو ووٹ دیں حاصل نتیجہ یہی ہے کہ کسی کو یہ پسند نہیں کہ مسلمان دستوری حقوق کو حاصل کر سکیں اور دستوری طور پر میسر مواقع انھیں دیئے جائیں کہ وہ خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔

ملت اسلامیہ کے نام پر معنون علی گڑھ میں ایک اکلوتی مکمل یونیورسٹی ہے۔ امید تھی کہ اس سے ملت کو مختلف میدانوں میں روشنی ملے گی لیکن تمام دعووؤں کے باوجود اس نے محض شکم پرور پیدا کئے۔ اس سے زیادہ تو مسلم مسائل میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے رہنمائی ملی اور جب انہوں نے رہنمائی کی کوشش کی تو ملت کو نقصان پہنچا۔ سرسید کے دور میں ان کے کالج پر مسلط مستشرقین نے انھیں فرقہ وارانہ راہ پر ڈال دیا تھا۔ اور استعمار سے لگاؤ اور محبت سکھلایا تھا۔ اور آزادی کے وقت وہاں کے دانشوروں نے مسلم لیگ کے تقسیم ہند کے خاکے میں رنگ بھرا اور ملت تو ڈوبی ہی اکلوتی یونیورسٹی بھی فرقہ پرستوں کی نگاہوں میں چڑھ گئی اور اس کی مہنگی قیمت اب تک ملت کو چکانی پڑ رہی ہے۔ اور فرقہ پرستوں کے ردعمل میں وہاں کے نام نہاد دانشوروں نے کمیونزم کو اپنالیا اور کمیونزم کے ٹوٹنے تک اس پر کمیونسٹوں نے اپنی پکڑ بنائے رکھی اور جب ان کا زور ٹوٹا تو مفاد پرستی نے وہاں اپنا ڈیرا ڈال دیا مفاد پرستی کی اتنی بری حالت ہے کہ وہاں کے بڑبولے دانشور یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی حفاظت نہ کر سکے۔ اس وقت یونیورسٹی کنبہ پروروں، مفاد پرستوں اور نااہلوں کا

اڈہ بن چکی ہے۔

اس وقت کچھ مولویوں کو بھی سیاست کا شوق چرایا ہے اور سیاسی جوش اتنا بڑھا ہوا ہے کہ جو بھی مل جائے اسے اپنا امام بنانے کے لیے تیار رہتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے سیاست کاری ایک حتمی مسئلہ بن گئی ہے اور اسے کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ دنیا پرستوں کی سیاست کاری کے لئے ہوڑ بازی تو قابل فہم ہے پتہ نہیں یہ مولویوں کو کیا ہوگیا ہے کہ صحرائی دھتورے کا پیڑ بننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کا پتہ بھی انسان آنکھ کو لگالے اس کا دودھ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے۔ ان دھتورے مولویوں کو سیاست بازی کا ایسا چسکا لگا کہ آبرومند اور بے آبرو ہر سیاست کی گاڑی کا قلی بننے کو تیار رہتے ہیں۔ پورے ملک میں عجیب وبا آئی ہے کہ شہر دیہات ہر خطے میں مفت میں اخبارات میں چند سطری بیان چھپوا کر نیتا بن جاتے ہیں ۔ کچھ نے ملائم کا دامن تھام رکھا ہے اور اس کے لئے فدائیت کا دم بھرتے ہیں، کچھ مایاوتی پر نچھاور ہیں، چندے شرد پوار پر خود کو نثار کرنے کو تیار ہیں۔ کسی کا امام نتیش کمار ہے تو کوئی لالو کو راہبر تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ کانگریس کے ساتھ تو ان گنت کھدر دھاری مولوی تھے اور ہیں اور جن کو کہیں نہیں جگہ ملی وہ بابری مسجد کو مسمار کرنے والے مجرموں کے ساتھ نام جوڑنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ سیاست کی دکانیں تبلیغ دین کے نام پر کھلی ہیں، تعلیم کے نام پر بھی، ائمہ و مؤذنوں کے نام پر بھی، مساجد کے نام پر بھی اور مدارس مدرسین اور علماء کے نام پر بھی اور شکم پروری کا کام ہو رہا ہے اور قضا و افتاء کے نام پر ہو رہا ہے۔

ذات برادری کے نام پر سیاست کاری ملت کے لئے المیہ ہے۔ منڈل کمیشن نے اس مصیبت کو اچھی طرح بڑھاوا دیا ہے۔ پہلے مومن برادری کے نام پر ایک کانفرنس تھی اور کانگریس نے جمعیۃ العلماء کے ساتھ اس پر بھی اپنی ماتحتی قائم کر رکھی تھی۔ منڈل کمیشن نے یہ ماتحتی ختم کر دی ہے اور لوگ بکثرت ذات برادری کے نام پر سیاست کاری کر رہے ہیں اور برداریوں کے عیار لیڈر عموماً اپنی برادریوں کا سیاسی پارٹیوں سے سودا کرتے ہیں۔

منڈل کمیشن کی تجاویز کو لاگو کر کے سیاست دانوں نے مسلمانوں کو ہر فیلڈ میں بہت

پیچھے ڈھکیل دیا ہے اوراس نام پر سیاست کاری کرنے والے مسلمان ملت کے لیے مفید
بالکل نہیں ہیں اور جوملت کے نام پر ذاتی مفادات کے حصول کے لیے سیاسی پارٹیوں سے
جڑے ہوئے ہیں ان کی تعداد ان گنت ہے۔مقامی سطح سے لے کر قومی سطح تک سیاست
کاری عموماً ذاتی فصلیں بونے اور کاٹنے کے مترادف ہے۔مفادات ذاتیہ کے شور ہنگامے
میں کہاں کی ملت اور کیسے افراد ملت؟

امت محمدیہ ہندوستان میں ریزہ ریزہ ہے۔بطور امت جینے کا شعور بہت کم لوگوں کو
ہے۔عمومی روش یہی ہے بس کھاؤ کماؤ اور جی لو اور ملک کی ساری سرگرمیوں میں بہتے رہو۔
یہ روش غفلت خود فراموشی کی روش ہے۔ایسی روش سے امت کا نام نشان مٹ جائے گا اور
امت محمدیہ کی شناخت ختم ہو جائے گی۔

ملک میں متنوع مسلم سیاست کاری یا سیاسی جبر کا حصہ ہے یا مفاد پرستی کا آلہ کار یا بے
شعوری اور غفلت کا آئینہ دار یا پھر غوغائیت ہے اور ہڑبونگ۔

مسلمانوں کی مختلف تعلیمی، اقتصادی، سیاسی اور سماجی اکائیاں بری طرح بکھری ہوئی
ہیں۔عموماً ان کے درمیان تال میل نہیں ہے۔تعلیمی دانشوروں کا کہنا ہے کہ تعلیم اور اعلیٰ تعلیم
ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل ہے۔جبکہ صورت حال یہ ہے کہ عصری درسگاہوں کا اعلیٰ تعلیم
یافتہ عمومی طور پر ملت کا سب سے زیادہ بے حس اور خود غرض عنصر بن جاتا ہے، وہ شکم پروری
کے شعور سے اوپر اٹھنے کی سکت ہی نہیں رکھتا ہے اور وہ سیکولر تعلیم یافتہ جو اپنے اوپر دین کی
خدمت کا لیبل لگا لیتے ہیں وہ کچھ زیادہ حماقتیں کرتے ہیں اور شکم پروری کے ساتھ وہ ملت کو
مس گائڈ کرنے کا کام بھی کرتے ہیں۔سیکولر تعلیم یافتہ دین پسندوں اور دین داروں نے
جہاں بھی خدمت دین کے نام پر اداروں کا ڈول ڈالا ہے انہوں نے فتنہ جگایا ہے۔

خدمت خلق کا کام کرنے والے سماجی مسائل کو حل کرنے کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں اور اس کو
تمام مسائل کا حل بتاتے ہیں، معاشی اکسپرٹ معاش کو تمام مسائل حیات کی جڑ بتاتے ہیں
اور معاش حل کو تمام مشکلات کا حل قرار دیتے ہیں، سیاست کے سیاسی اثر ورسوخ اور سیاسی

حقائق کو ملت کے فلاح و بہبود کی نشانی قرار دیتے ہیں۔یہ تمام نظریاتی وافکار ریزہ فکری
اور جزء پسندی کی دلیل اور امت مسلمہ کی ماہیت ونوعیت، مقام ومنصب سے بے خبری کی
واضح علامت ہیں۔امت محمدیہ کی ماہیت، منصب اور ذمہ داریاں سیکولر تعلیم یافتہ حضرات فی
الواقع سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں کیونکہ ان کو دنیاداری اور مادہ پرستی کی تعلیم ملتی ہے۔ان کے
سامنے فقط مادی آسائش کا تصور ہوتا ہے۔اس لئے وہ ان امور سے بے خبر ہوتے ہیں
اور تحریکی ہڑبونگی اور غوغائی ملت کو تباہ کرتے رہے ہیں اور تباہ کرنے پر لگے ہیں۔

ملت اسلامیہ ہند کے امور، ملت اسلامیہ کے منصب و ماہیت کو صرف علماء جان سکتے
ہیں۔ملت اسلامیہ کا مسئلہ صرف سیاسی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اولاً عقیدہ، عبادت، دعوت، امر
بالمعروف ونہی عن المنکر، رزق حلال، خلق حسن، اجتماعیت، دینی رشتے اور امت کے فروغ
بقا اور دین کے فروغ کا مسئلہ ہے۔اس کی دینی شناخت فرد وسماج کی صالحیت کا مسئلہ ہے۔
دینی تعلیمات کے شیوع اور نشر واشاعت کا مسئلہ۔اس کے اصول وضوابط کے تحفظ کا مسئلہ
ہے۔اگر کل دین کو وقتی سیاست کے سانچے میں ڈھال کر ساری بھاگ دوڑ اس کے پیچھے
لگ جائے تو یہی دین وامت کی تباہی کے لیے کافی ہے۔اسی سال سے تحریکیوں نے یہی کیا
انھیں کیا ملا اور انہوں نے امت کو کیا دیا۔صرف قتل، خونریزی، تباہی، غوغائیت، خلفشار ملت
کے خلاف بغاوت، ملت کی تاریخ کے خلاف بغاوت، صحابہ کے خلاف بغاوت، دین وعقائد
کے خلاف بغاوت، حدیث کے خلاف بغاوت۔انہوں نے امت اور اس کے اصول
وضوابط کے متعلق اپوزیشن کا رول اختیار کرلیا۔اپوزیشن کا رول اختیار کرنے کے بعد
اپوزیشن کے ہاتھ صرف سازش، بدخواہی، نفرت دشمنی، ضد، ہنگامہ آرائی آتی ہے۔یہی حال
ساری دنیا میں تحریکیوں کا ہے۔اور امت کے ساتھ شیخی کی ذہنیت نے انھیں دنیا کے انتہائی
درجہ کے گرے سازشی صفوی رافضیوں کے قدموں میں ڈال دیا۔اس وقت ان کے ذہنی اور
تحریکی سفر کی منزل مقصود یہی ہے کہ ایرانی صفویوں کے بندہ بے زر بنے دین وملت کی
جڑ کھودیں صفویوں کی پوری تاریخ اتنی خوں چکا ہے کہ اگر بے غیرت بھی اسے پڑھنے کی

توفیق پائیں تو اپنی ۳۴ سالہ صفوی تائید کی بناء پر اپنے وجود سے نفرت کریں۔اسماعیل صفوی نے اپنے دورحکمرانی میں محض اس شک کی بناء پر اپنی ماں کو قتل کروادیا تھا کہ اسے سنیوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔جس حکومت کی بنیاد میں اہل سنت دشمنی داخل ہے اور ۳۴ سالوں میں جس کی سفاکیاں، موامرت اور سنی دشمنی سورج کی طرح عیاں ہے اگر آج کے نام نہاد شعوری تحریکی نہ دیکھ سکیں تو کیا ان کا وجود چمگادڑ کے وجود سے کچھ زیادہ ہو سکتا ہے۔ان کا پوراوجود شعوری غیر شعوری ایرانی صفوی بن چکا ہے امت کے لیے یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ سماج میں ان ہڑبونگیوں کو ہڑبونگ پھیلانے کی چھوٹ مل رہی ہے۔ان کی اصلیت سمجھنے کھولنے اور ان کو سمجھانے کی سخت ضرورت ہے۔امت اسلامیہ سے جڑی اور دائرہ حق میں داخل تمام افراد اور اکائیوں کا پیشہ ایسے ہے جیسے کشتی کے سوار۔اگر کشتی ڈوبی تو سب ڈوبیں گے۔اگر اس نے پوزیشن کی راہ اختیار کی تو سب کو ڈبوئے گا۔اگر اس نے کشتی میں چھید کی تو سب ڈوبیں گے۔یہاں اپوزیشن نہیں کرکشن کا اصول ہے۔غلطیوں پر خواہ کتنی بھیانک ہو نکیر کے اصول ہیں اور جس حد تک ہو سکے ولاء براء کا اصول لاگو ہوگا اور دینی شناخت اور دینی ضوابط کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔لیکن کلی مخالفت اور اپوزیشن کا رول حزبیت ہے اور قابل مذمت ہے۔

اور مسلم اقلیت کی حیثیت سے مسلمانوں کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔اقلیتی آبادی کے اوپر اسلامی یا مسلم اتھارٹی نہیں ہوتی ہے۔اور اس دور میں جب کہ مسلم حکومتیں اور مسلم اقلیتیں ایک نہج پر ہیں، جمہوریت اور علمانیت سیکولرزم سب کا نظام حیات بن چکا ہے اور مہاجرت واستیطان سب دستوری بن گئے ہیں۔جو جہاں ہے عموما وہیں اس ملک میں رہ سکتا ہے۔ایسی حالت میں ایک زمینی حقیقت ہے حالت واقعی۔انسان حالت واقعی اور زمینی حقیقت سے باہر نہیں جاسکتا ہے۔مطلوب اصلی رضائے الہی ہے جس حد انسان حالت واقعی میں مطلوب اصلی حاصل کرسکتا ہے،اس کے اوپر یہی حتمی فریضہ ہے(فاتقوا الله ما استطعتم)استطاعت بھر رضائے الہی کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا اور دین کا پابند

رہنا اور دین کی اشاعت کرنا مطلوب اصلی ہے۔مطلوب اصلی پوری شریعت ہے جزء سے کل تک۔جس حد تک انسان اس فریضے سے عہدہ برآ ہو سکے اس کی نجات ہو جائے گی۔اگر شریعت کے کسی خاص جزء کو انسان پکڑ کر بیٹھ جائے اور استطاعت بھر کل شریعت کو امکانی حد تک زندگی میں بروئے کار نہ لا سکے تو ایسا شخص اتباع ہوی کا شکار مانا جائے گا۔

موجودہ صورت حال میں اسلام کا سیاسی، تعلیمی، اقتصادی، اجتماعی، معاشرتی نظام لاگو نہیں ہو سکتا ہے اس کے لئے سلط ضروری ہے۔اور جن تعلیمات کو فرد وسماج خود زندگی میں لاگو کر سکتا ہے مسلمان اسے بھی اپنی زندگی میں لاگو کرنے سے قاصر ہیں۔عقائد، عبادات، اخلاقیات، حلال حرام۔آداب ہر فرد کی زندگی کے اساسی امور ہیں لیکن شاید دس فیصد بھی مسلمانوں کی زندگی میں ان کا التزام نہیں ہے۔دینی تعلیم کا حصول ہر مسلمان پر حتمی فریضہ ہے۔دین کا صحیح تعلیمی نظام اور علوم اسلامیہ کی صحیح معرفت چند فیصد بھی نہیں ہے۔دعوت وتبلیغ کی آزادی ہے لیکن صحیح طریقہ دعوت مفقود ہے بلکہ صحیح دین کی دعوت صحیح نہج پر غیر معروف ہے۔مسلم معاشرے میں توحید وعبادت کے بعد سب سے زیادہ حساس مسئلہ اجتماعیت کا ہے۔مسلم وحدت اور اجتماعیت کے لیے اسلام میں قانونی، اخلاقی، تعبدی تہذیبی اساسیات ہیں۔ہمارے بس میں ہے کہ ان کو مسلم وحدت کے فروغ کے لیے استعمال کریں لیکن ایسی جدوجہد نا کے برابر ہے۔

مسلم اقلیت ان دینی اساسیات پر اپنی بنا وتعمیر کرسکتی ہے اور کسی بھی ملک اور سماج کا مفید اور موثر حصہ بن سکتی ہے۔مسلم اقلیت اگر کچھ نہیں کرسکتی دعوت وتبلیغ کے فرائض کی انجام دہی صحیح طریقے سے کرلے جائے اور موثر انداز میں غیروں تک پہنچ بنا لے جائے تو دنیا میں زبردست اصلاحی تبدیلیاں آسکتی ہیں۔تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگائیے جب سے مسلمان دنیا میں مغلوب قوت بن گئے ہیں کسی میدان میں مفید نہیں رہ گئے۔ہزار کمزوریوں کے باوجود دعوت کے میدان میں مغلوب نہیں ہوئے۔ہمیشہ اسلامی دعوت دیگر دعوات باطلہ کے مقابلے میں غالب رہی اور غیروں کے اعداد وشمار کے مطابق مذہبی تبدیلی

میں اسلامی دعوت کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ایک پرانی رپورٹ کے مطابق ہر سوانسان جو مذہب تبدیل کرتے ہیں اس میں سولہ افراد دین اسلام اختیار کرتے ہیں، گیارہ بدھ مت کی طرف جاتے ہیں ۹ ہندودھرم اختیار کرتے ہیں اور عیسائیت عیسائیوں کی تمام استعماری، استشراقی اور تبشیری کوششوں کے باوجود چوتھے نمبر پر ہے۔ دین تبدیل کرنے والوں کی ترجیحات میں اسلام پہلے نمبر پر ہے، بدھ مت دوسرے نمبر پر، ہندوازم تیسرے نمبر پر اور عیسائیت چوتھے نمبر پر اور اب تو اسلام قبول کرنے کا یہ تناسب کہیں زیادہ بڑھ گیا ہوگا۔

دعوت کے میدان میں مسلمانوں کو ہمیشہ گولڈن چانس حاصل رہا ہے اور حاصل رہے گا لیکن اس کے باوجود ہم صحیح ڈھنگ سے دعوت کا کام بھی نہیں کر پاتے ہیں۔اگر مسلمان بطور تجربہ ہر سرگرمی کے مقابلے میں دعوت کو ترجیحی مسئلہ بنا کر اپنا دعوتی ایجنڈا اتیار کرلیں اور دل وجان سے اس میں لگ جائیں، صحیح تعلیم حاصل ہو، صحیح دعوت ہو اور صحیح منہج اختیار کرلیں تو وقت کی سیاست، تعلیم، جغرافیہ، معاشیات، دین سب میں زبردست تبدیلی آسکتی ہے۔سو سالوں کے اندر ہم کسی میدان میں بحیثیت مجموعی موثر نہ بن سکے اور نہ اپنی حالت سدھار سکے۔ صرف اسلامی دعوت ہی تمام تر وسائل کی کمی کے باوجود پوری دنیا میں مؤثر رہی ہے۔ ٹی وی کے ذریعہ بعض دعوت مافیاٹی وی ملا بھی پیدا ہوگئے ہیں جو وسائل کو شہرت اور شکم پروری کا مسئلہ بنائے ہوئے ہیں، فتنہ پروری کررہے ہیں اور ناسمجھ جہال ان کو سرآنکھوں پر بٹھائے ہوئے ہیں۔

مسلم اقلیت دنیا کی بہت بڑی بشری اکائی ہے۔ دنیا کی اقلیتوں کے اپنے مسائل ہیں۔تقریبا ہر ملک میں ان کو دستوری حقوق حاصل ہیں۔اگر یہ طاقتور بن جائیں تو اپنے حقوق پوری طرح حاصل کرسکتے ہیں۔اسلام کی برکت سے ان کے پاس ہر جگہ ہر طرح کے امکانیات ہوتے ہیں۔مسلم اقلیت انھیں امکانیات پر پھل پھول سکتی ہیں۔سہولیات اور مراعات ان کے درد کا مداوا نہیں ہیں بلکہ امت مسلمہ کو اس کی فطرت اور ماہیت کے اعتبار سے مراعات اور سہولیات سوٹ ہی نہیں کرتی ہیں۔امت کی فطرت یہ ہے کہ اسے

توکل علی اللہ کے سبب اعتماد نفس حاصل ہو۔مراعات اور سہولیات سے اس کی شائننگ اور شارپ نس مر جاتی ہے اور جب وہ دوسری قوموں کی طرح مراعات اور سہولیات کا طالب بن جاتی ہے تو اس کا اعتماد مجروح ہوتا ہے، اس کی گٹ مر جاتی ہے اور بحیثیت امت اس کی پہچان دھندلا جاتی ہے۔ وہ جانب داری اور جنبہ داری پر نہ زیادہ سہارا کرسکتی ہے نہ غیر جانب داری اختیار کرسکتی ہے۔مسلم امت ہونے کے ناطے جنبہ داری یا غیر جانب داری زیادہ دیر تک اسے تحفظ نہیں دے سکتی ہے سارے عالم بوسنیا کی مسلم اقلیت اور سری لنکا کی تامل مسلم اقلیت کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ سب سے زیادہ اسمارٹ اور تعلیم یافتہ مسلم اقلیت تھیں۔ انہوں نے کسی جنبہ داری سے خود کو بچایا اور ملکی فرقہ وارانہ مسائل میں غیر جانب دارانہ موقف اختیار کیا۔لیکن فرقہ واریت انھیں کھا گئی۔ بوسنیا کے دو لاکھ مسلمان مارے گئے اور ان کی مساجد کو مسمار کیا گیا، ان کی نسل کشی کی گئی، ان کی آبرو کو جبرا پامال کیا گیا، ائمہ اور مؤذنین کو قتل کیا گیا اور ان کے سروں کو فٹ بال بنا کر کھیلا گیا۔انھیں نہ حربی اور تھوڈکس نے بخشا نہ کیتھولک کروٹ نے چھوڑا۔سری لنکا کے تامل مسلمان تامل اور سنہالہ فرقہ وارانہ جنگ میں فرقہ واریت سے الگ تھے اور برسہا برس دونوں فرقوں کی رسہ کشی سے خود کو محفوظ رکھا اور تامل ہونے کے باوجود تامل سافی وقومی تعصب سے خود کو پاک رکھا۔لیکن آخر میں تامل اور سنہالہ دو گروپوں نے انھیں زیر عتاب بنایا اور تقریبا ۱۰ لاکھ تامل مسلمان فرقہ وارانہ فساد سے متاثر ہوئے۔ ان گنت معصوم جانیں گئیں مقدمات کی حرمت پامال ہوئی۔ مال وجائداد کو لوٹا اور جلایا گیا۔ وحدت، احتیاط، اسمارٹ نس، شارپ نس، اصلیت وصلاحیت کے باوجود دونوں اقلیتیں بری طرح متاثر ہوئیں اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے مسلم اقلیتوں کا مسئلہ ہمیشہ پیچیدہ ہوتا ہے۔تمام احتیاطوں اور تدبیروں کے باوجود آفتیں ان پر آتی رہتی ہیں اور اگر دنیا کی سب سے بڑی مسلم اقلیت کا مسئلہ ہو جہاں لسانی، عنصری، ذات برادری، مسلکی، علاقائی تفاوت ہو انتشار وخلفشار کی خرطناک شکلیں ہوں۔ بڑے علاقے پر پھیلی بڑی تعداد ہو، ذاتی مفادات کی وہ شوراشوری ہو کہ الامان والحفیظ، فروغ دین اور ملی

ترقی کے اکثر وسائل وذرائع ذاتی مفادات کی نذر ہوجاتے ہیں تو اس کا کیا حال ہوسکتا ہے۔اس پر مستزاد دشمنانِ اسلام ہمیشہ مسلمانوں کی گھیرابندی پر تلے رہتے ہیں اور انھیں بلا وجہ مجرم بنانے کا شوق پورا کرتے رہتے ہیں اور اگر وطن میں ان کے خلاف منصوبہ بند انتہا پسندانہ اور دہشت گردانہ سرگرمیاں رکھنے والے عناصر ہوں اور طویل مدت سے بتسلسل اقلیت کو فنا کرنے کا عزم رکھتے ہوں تو اس کا ہمہ گیر اثر اقلیت پر کیا پڑے گا یہ بھی ایک بھیانک مسئلہ ہے۔

ہندوستانی مسلم اقلیت کے پیچیدہ مسائل ہیں۔ان کے حل کے لئے بڑی جانکاہی مطلوب ہے۔ایسے گمبھیر حالات میں تحریکی غوغائیت اور ہڑبونگ،اس کی بے سمتی تضاد اور عجب اور انتشار پسندی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔یہ ہڑبونگی ملی اکائی اپنے وجود سے لے کر اب تک کبھی زمینی حقائق سے جڑ نہ سکی۔اسے صرف جھوٹے سپنے دیکھنے کی عادت رہی ہے اور ان جھوٹے سپنوں کو حقیقت سمجھ کر ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔اخباری بیانات کے سہارے اوہام کی دنیا میں جینے والے یہ غوغائی اس وقت سارے عالم میں امت کے لئے سب سے بڑا بوجھ اور دردسر ہیں۔ان کی تباہیاں ان کے اراجیف اور شاکے ذریعے کامیابی بنتی رہتی تھیں لیکن اب ان کی تاریکیاں اور ظلمات نمایاں ہورہی ہیں۔یہ کھوٹے سکے اور دینی مکھوٹے اب نمایاں ہونے لگے ہیں۔ان کے سارے اندازے تخمینے،اراجیف،شائعات اور بے ثمر سرگرمیاں سب پر عیاں ہورہی ہیں۔انھیں دشمنانِ اسلام نے بری طرح بھڑکایا لڑایا اور استعمال کیا اور رافضی تحریکیوں کو کلی طور پر استعمال کررہے ہیں اور ان کی حمایت پاکر پوری جرأت سے سنیوں کو فنا کرنے پر دل وجان سے لگے ہوئے ہیں۔

ایسے تمام عناصر جو جعلی ہوں اور دھند کی مانند کا وجود ہو اور ان کی تحریکی حرکتیں فتنہ وفساد ہوں اور فریب کارانہ طور پر اپنی تباہ کن حرکتوں کو کمال باور کراتے ہوں انھیں ملت پر رحم کرنی چاہیے اور نتیائی کا شوق چھوڑ کر دینی تلاش اور حق کی تلاش میں لگ جانا چاہیے۔

ہندوستان کی مسلم اقلیت شرق اوسط یا کل عرب ممالک سے بڑی ہے۔ان کا سب

سے اہم مسئلہ غربت، جہالت اور تحفظ کا ہے۔تینوں مسائل ان کے وجود کو تہس نہس کرنے کے لیے کافی ہیں۔ان کی معاشی اور تعلیمی حالت روز بروز انحطاط کی طرف مائل ہے اور دن بدن عدم تحفظ کا احساس بڑھتا جارہا ہے۔جہالت اور غربت دونوں ایک ساتھ روز افزوں ہیں۔ملک کی آبادی کی تمام اکائیوں اور قومیتوں میں مسلمان سب سے زیادہ غریب ہیں اور ان کا تعلیمی تناسب سب سے کم ہے،اور ان کی فی کس آمدنی سب سے کم ہے۔اقتصادی انفتاح کے بعد سرمایہ داروں نے تعلیم محمد صحت اور صنعت پر قبضہ جمالیا ہے۔تعلیم اتنی مہنگی ہوگئی ہے کہ مسلم اکثریت اس کا متحمل نہیں ہوسکتی۔یہی حال صحت کا ہے۔حکومتی تعلیمی وصحی ادارے روز بروز اپنی فعالیت کھوتے جارہے ہیں اور جو فعال ہیں ان میں مقابلہ آرائی سخت ہے۔کوچنگ مہنگی تر ہے۔وہاں کا خرچ بہت کم مسلمان اٹھا سکتے ہیں۔کارپوریٹیو بزنس اور باہری کمپنیوں کی آمد اور اکسپورٹ امپورٹ کی کھلی چھوٹ نے مسلمان کرخنداروں اور مسلم گھریلو صنعتوں کو تباہ کردیا ہے۔مسلمانوں کے سامنے اب اس کے سوا کچھ نہیں رہ گیا ہے کہ یا تو مزدوری کریں یا پرائیویٹ سکٹر میں نوکری کریں اور ملے تو سرکاری محکموں میں نوکری کریں۔بہت کم تعداد بڑے یا میڈیم مسلم تاجروں کی ہوگی۔

اور عدم تحفظ کا احساس روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔فرقہ پرستی کب کہاں کیسا رنگ دکھلائے کچھ پتہ نہیں۔وہ علاقے جو تقسیم ہند کے موقع پر فساد سے محفوظ تھے اب ایسی جگہوں پر بستیوں پر بستیوں کو اجاڑنے کا فرقہ وارانہ نظم فساد ہوتا ہے اور وہ بھی سیکولر میڈیٹیل رکھنے والی پارٹیوں کی نگہبانی میں۔مظفر نگر میں پچاس ہزار مسلمانوں کو اجاڑ دینے کا سانحہ اور آسام میں لاکھوں کو بے گھر اور بے وطن بنادینے کی سازشیں عدم تحفظ کے بڑھتے واقعات اور احساس ضیاع کا ثبوت ہیں۔جب اقلیت جہل وغربت کا شکار ہوتی ہے تو وہ مفاد پرستوں اور فرقہ پرستوں کے ستم کا نشانہ بن جاتی ہے اور کمزور اقلیتوں کو سہارا دینے کا مطلب ان کے نزدیک یہ رہ جاتا ہے کہ ریت کی گرتی دیوار کو سہارا دیا جائے۔

ہندوستانی اقلیت کے لیے یہ طے کرنا لازمی ہے کہ ہندوستان ہمارا ملک ہے ہم اس

ملک کے مکمل شہری ہیں۔اس ملک پر ہمارے ایسی طرح حقوق ہیں جس طرح دوسروں کے حقوق ہیں اور ہمارے اوپر ملک کے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح دوسروں پر ہے۔ قومیت اور علمانیت کا نظریہ ہمارے لیے حقوق طے نہیں کرتا ہے۔ان کی اہمیت زیادہ سے زیادہ ایک انسانی تجربے کی حیثیت سے ہے جو کامیاب بھی ہوسکتا ہے اور فیل بھی۔اس ملک میں یہ حقوق دینی طور پر بھی طے ہوتا ہے اور وہ کئی طرح سے۔

۱۔اس ملک سے ہمارا دستوری تعلق ہے جو معاہداتی تعلق سے بڑھ کر ہے۔اس کا پاس لحاظ رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔پورے ملک میں پھیلی مسلم آبادی کے لئے ملک کی دستوری ضمانتیں ہیں۔کسی مسلم ملک میں بھی اگر ہندوستانی مسلمان جائے تو اس کو یہ ضمانت نہیں مل سکتی ہیں۔ملک کے باشندوں کو جو حقوق ملے ہیں ہم کو وہ تو ملے ہی ہیں۔اس کے ساتھ اقلیت کی حیثیت سے ہمیں دینی، ثقافتی ،لسانی ضمانت حاصل ہیں۔اگر ہمارے پاس یارا ہے تو ہمیں یہ سارے حقوق مل سکتے ہیں اور گئی گذری حالت میں بھی جوڈیسری نظم سے بسااوقات دستوری حقوق مل جاتے ہیں۔ہم ہندوستانی شہری کی حیثیت سے جن حقوق کے حقدار ہیں ہمیں دنیا میں کہیں نہیں مل سکتا۔اگر کہیں شہریت مل سکتی ہے تو اس بنیاد پر کہ ہم ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی شہری کی حیثیت سے ہمارے پاس دستاویز ہیں۔اگر یہ دستاویز نہ ہوں تو ہم کسی دوسرے ملک میں مہاجرت کے حق دار نہیں بن سکتے۔

یہ گراونڈ ٹیلیٹی ہے اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔اگر ہمیں یہ تسلیم نہ ہو تو بے زمینی اور بے وطنی طے ہے سوال یہ ہے زمینی اور بے وطنی کے ساتھ انسان جی سکتا ہے۔یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اسے تسلیم نہ کرنا عقل وخرد کو منہ چڑانا ہے اور پاگل پن کا ثبوت دینا ہے۔

۲۔ بروقت اسلامی ریاست/خلافت/حکومت کا وجود نہیں ہے۔سوال یہ ہے کیا مسلمان جاہلیت کی موت مریں گے۔کیا ان کی نجات نہ ہوگی۔مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام سے قبل مکہ کے ۱۳ سالہ دور پر کیا حکم لگے گا؟ تمام انبیاء دوایک کے استثناء کے ساتھ اسلامی حکومت کے اندر نہیں تھے کیا اس کے بغیر ان کی دعوت ناکام تھی؟(ان الحکم الا

اللہ) کا قانون تو ازل سے ابد تک ہے پھر کیا حکومت الہیہ کے قیام میں ان کی جھو تھیں نہیں یا ناکام تھیں۔دراصل یہ سوالات وارد ہی نہیں ہوتے ایسے سوالات دین سے بے خبری کی دلیل ہیں۔اور ایسے سوالات وارد کرنے والے نفس پرست، سیاست پرست، غوغائی اور ہڑبونگی لوگ ہیں جو اپنے نفس پرستانہ ایجنڈوں کی تکمیل کے لیے ۸۰ سالوں سے دین وملت کو تماشا بنائے ہوئے ہیں اور قتل وخوں ریزی کا بازار گرم کئے ہوئے اور اہلاک حرث ونسل میں کوشاں ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ دین مکمل ہے اور اس کے احکامات قیامت تک حتمی ہیں اور تکلیف احکام انسان کی استطاعت پر منحصر ہے۔اگر انسان استطاعت نہیں رکھتا تو بہت سے احکامات کا وہ مکلّف نہیں رہ جاتا ہے۔بیمار کو مسجد میں حاضری سے معاف رکھا گیا ہے۔ لولے لنگڑے اندھے جہاد سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔غریب پر زکوۃ حج نہیں ہے۔ بوڑھے شخص سے صیام کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔شکوک کی بنیاد پر حدود کا نفاذ رد ہو جاتا ہے ۔مضطر کے لیے حرام کو بقدر ضرورت حلال کر دیا جاتا ہے۔ان مجبوریوں کے اسباب نہیں تلاش کئے جاتے،نہ اسباب پر فرد جرم عائد کی جاتی ہے صورت حال پر حکم لگتا ہے۔

اللہ کی رضا کا حصول دنیا کے کسی خطے میں ممکن ہے۔صرف اسلامی ریاست میں ہی اس کی رضا محدود نہیں ہے۔موجودہ صورت حال موجودہ نسل کی لائی ہوئی نہیں ہے کہ اسے ساری خرابیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے اور اسے سزا دی جائے اور اللہ رضا وعفو سے اسے محروم قرار دیا جائے۔یہ صدیوں کی ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔موجودہ نسل نہ ماضی غفلتوں کی جواب دہ ہے اور نہ اس کا بوجھ اٹھانے کی ذمہ دار ہے۔ماضی معافی سے متعلق ہوئی نتائج وعواقب کے اعتبار سے ہر نسل اپنے کئے کا ذمہ دار ہے البتہ اثرات کی راہ میں پردہ نہیں حائل ہوتا ہے۔

اگر اسلامی خلافت/حکومت موجود ہو اور ایک مسلم تاجر داعی یا متعلم کی حیثیت سے کسی غیر اسلامی ملک میں جاتا ہے تو اجتماعی امور میں اس پر اجتماعی قوانین کا نفاذ نہیں ہوتا۔

اگر اس نے اس ملک میں قانونی جرم کیا ہے تو اسے اسلامی ملک میں لا کر اس کو سزا نہیں دی جاسکتی اور خود اس کے اوپر بھی یہ لازم نہیں ہوتا کہ اسلامی ملک میں آکر خود کو کورٹ کے حوالے کرے۔ اس کے اوپر واجب ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مسلم اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہوئے ہمارے لئے جو اسلامی دائرہ کار ہوسکتا ہے اور جس کی ہم استطاعت رکھتے ہیں ہم اس دائرہ کار میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے حصول کے طلب گار ہیں اور پر امن ذرائع سے اس دائرہ کار کو بڑھانے کی جدوجہد میں لگے رہیں۔ موجودہ دائرہ کار پر مطمئن نہ رہیں اور پر امن ذرائع کو چھوڑیں نہیں۔ حالت واقعی کو تسلیم کریں اور مطلوب اصلی کے حصول کے لیے جدوجہد جاری رکھیں۔ پورے دین کے نفاذ کے لئے مخلصانہ جدوجہد جاری رکھنا اور اللہ کی رضا حاصل کرنا مطلوب اصلی ہے۔ یہ حاصل ہو جائے تب اللہ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے اور حاصل نہ ہو پائے تب بھی اللہ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے شرط یہ ہے کہ مخلصانہ جدوجہد حتی الامکان جاری رہے۔ تحریکیوں کی مصیبت یہ ہے کہ وہ اپنے ۸۰ سالہ دور میں کبھی حالت واقعی اور مطلوب اصلی کے درمیان تطابق نہیں پیدا کر سکے نتیجۃً کبھی مطلوب اصل کو پکڑا اور انتہا پر پہنچ گئے اور اب حالت واقعی کے اسیر ہیں اور دوسری انتہا پر ہیں۔ حالت واقعی کی گراؤنڈ ریلٹی پر ہی مطلوب اصلی کا پودا لگتا ہے۔ گراؤنڈ ریلٹی چھوڑ کر انسان فضا میں کچھ نہیں کرسکتا۔

(۳) ہم ہندوستانی مسلمان ہیں۔ ہم پہلے مسلمان تھے اور ہماری یہی اول و آخر پہچان تھی اور جب ہماری یہی تنہا پہچان تھی تو اس کرہ ارضی پر بسنے والے سارے مسلمانوں کے درمیان ولایت کا رشتہ قائم تھا اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا جان نثاری کے ساتھ حامی و ناصر ہوا کرتا تھا مگر جب ایمان کی شناخت کمزور ہوگئی تو ہمارا یہ رشتہ ٹوٹ پھوٹ گیا اور ہمارے درمیان جغرافیائی لکیریں، لسانی عصبیتیں رنگ و نسل کا تفاوت، مذہبی جھگڑے، سیاسی نسبتیں، شخصی حکمرانیاں، فرقہ وارانہ تفرقے، مادی مفادات، تہذیبی شکلیں شخصی نظریات و تنظیمی تفردات حائل ہوگئیں۔ اور ایمانی رشتوں کے ٹوٹنے کے بعد یا کم از کم

ان کے انتہائی کمزور ہونے کے بعد مسلمان کمزور اور بے وقعت ہوگئے۔

ایمان کا رشتہ ولایت و براءت ہی مسلمانوں کی اصل طاقت ہے۔ اگر یہ رشتہ برقرار نہ رہے تو پھر فتنہ وفساد مسلمانوں کی زندگی کی پہچان ہے۔ ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا بأموالھم وأنفسھم فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئك بعضھم اولیاء بعض والذین آمنوا ولم یھاجروا ما لم من ولایتھم من شئی حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر (۷۲) والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر (۷۳) (الانفال:۷۲۔۷۳)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور راہ الٰہی میں اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ذریعہ جہاد کیا اور جن لوگوں نے ٹھکانا دیا اور نصرت کی یہی ایک دوسرے کے حمایتی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تمہارے ذمے ان کی کوئی حمایت نہیں ہے الا یہ کہ وہ ہجرت کر آئیں اور اگر وہ دین کے بارے میں تمہاری مدد کے طلبگار ہوں تو نصرت تمہارے اوپر لازم ہے البتہ اس قوم کے برخلاف نہیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ (صلح) ہو اور اللہ تمہارے سارے کرتوتوں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں اگر تمہارا باہمی کا عمل نہ رہا۔ تو زمین پر فتنہ برپا ہوگا اور بہت بڑا افساد۔

اسلامی رشتہ اخوت وولایت اور ایمانی حمایت وتعاون اور ان کی مضبوطی اس بات کی ضامن ہے کہ مسلمانوں کے اندر وحدت و یگانگت اور توانائی فراواں ہو۔ آیات مذکورہ سے طے ہے کہ حق و باطل کے حمایتی اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کی اپنی اپنی دنیا اپنے اپنے دینی و فکری رشتے ناطے اور اپنے اپنے میادین عمل ہوتے ہیں۔ ایمان و کفر کی اساس پر بنے یہی رشتے دراصل اس دنیا میں انسان کے محور فکر و عمل ہیں۔ اگر ان کے درمیان کھنچی لکیر

ختم ہوجائے تو حق باطل، اور باطل حق بن سکتا ہے اور دونوں کا امتیاز ختم ہوجائے گا، دونوں کی پہچان ختم ہوجائے گی۔حق وباطل کے درمیان امتیاز کی یہ لکیر فرقان کی لکیر ہوتی ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے اور جب حق طاقتور ہوتا ہے ایمان کے اندر مضبوطی ہوتی ہے تو ایمان والے مضبوط ہوتے ہیں تو یہ لکیر بالکل نمایاں ہوتی ہے۔مسلمان جب بھی ولایت اور براء ت کا رشتہ مضبوط رکھیں گے تو یہ فرقان کی لکیر کلی طور پر نمایاں ہوتی ہے۔اور جب ایمان والے حق کو ماننے والے کمزور ہوتے ہیں اور کفر غالب اور توانا ہوتا ہے تو یہ فرقان کی یہ لکیر مٹ جاتی ہے اور ایمان وکفر، حق وباطل سب گڈ مڈ ہوجاتے ہیں۔اوراس وقت عالم بشریت میں فتنوں اور فساد کبیر کا ماحول ہوتا ہے۔چار سو فتنے ہیں فتنے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے فسادات پھیل جاتے ہیں۔

سورہ انفال کی ان آیتوں کو کسوٹی بنا کر اگر آج کے حالات ایمان وکفر اور رشتہ ولایت وبرائت کو ناپیں تو یہ طے ہوگا کہ اس وقت یہ آیات سو فیصد عالم بشریت پر منطبق ہیں اس وقت فتنے عام ہیں اور فساد کبیر پھیلا ہوا ہے۔اس وقت نہ اسلامی رشتے ناطے رہ گئے ہیں نہ حق وباطل کا امتیاز باقی رہ گیا ہے۔نہ ہجرت وجہاد ہے نہ ایمان وعمل ہے نہ ایواء ونصرت ہے۔

اندازہ لگایئے اسلامی اجتماعیت اور مسلمانوں کے باہمی رشتوں کا اوران رشتوں کی اساس کا جب کامل پختہ اور صحیح ایمان موجود ہو اوراس کامل صحیح اور پختہ ایمان سے سرشار فرد ومعاشرہ موجود ہو اور ایسے لوگ دین کی خاطر دنیا اور علائق دنیا تج چکے ہوں اور اپنی جان مال کی قربانیاں دے چکے ہوں اور بے خانماں اجاڑے گئے ہوں، دین کے لئے اپنا سب کچھ لٹا چکے ہوں اور ایسے لوگوں کو پناہ دینے والے عزت وحمایت عطا کرنے والے ہوں ایسے لوگ ولایت کے رشتے کو قائم اور استوار کرسکتے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں لیکن دین کی خاطر علاقائی دنیا کو تج نہ سکیں، وہ جہاد بالنفس والمال، ہجرت اور ایوء ونصرت کے مراحل سے نہ گذرے ہوں وہ اسلامی

رشتہ ولایت قائم نہیں کرسکتے۔نہ ان کا اسلامی ریاست میں رہنے والے ان مومنوں سے ولایت کا رشتہ قائم ہوسکتا ہے جو ہجرت، جہاد بالنفس والمال اور ایواء ونصرت کے منازل طے کرچکے ہوں۔

آیات ۷۲،۷۳ میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا ہے اوران کے باہمی رشتوں کا تذکرہ ہوا۔

(۱) ان مومنوں کا جو ایمان کامل سے سرشار ہوئے اور دین کی خاطر علائق دنیا سے کٹ کر مہاجرت اختیار کی پھر دین کے فروغ اور بچاؤ کے لیے جہاد بالنفس اور جہاد بالمال کیا اور بے گھروں، بے وطنوں کو گھر اور وطن فراہم کیا اور حاجت مندوں کی ہر طرح سے نصرت کی، ایسے لوگ باہم ایک دوسرے کے ولی ہیں یعنی دلی دوست، غمگسار، حمایتی، کارساز، مددگار، جاں نثار، خیرخواہ۔

(۲) دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ایمان کامل سے سرفراز ہیں مگر پہلے گروہ کے دیگر کمالات وفضائل سے سرخرو نہیں ہیں۔ایسا گروہ رشتہ ولایت کا حقدار نہیں ہے کیونکہ وہ اسلامی ریاست کا متوطن نہیں ہوا ہے، وہ غیر اسلامی ریاست کا باشندہ ہے۔اس لئے وہ اسلامی ریاست کی تمام سہولیات اور واجبات سے مستثنیٰ قرار پایا۔معیار کل نظم جماعت ہے یعنی اسلامی ریاست کے تحت کلی دین کے نفاذ کا مسئلہ اور فرد وسماج کے حقوق وواجبات کی تعین کا مسئلہ اور باہمی سچے جذبات کے تحت لگاؤ اور تعلق کا قضیہ۔اس گروہ کا باہم تعلق ہوسکتا ہے لیکن اس کی تعیین نہیں۔نہ یہ تعلق معیار ولایت ہے۔یہ گروہ پہلے گروہ کی (جو اسلامی ریاست کا متوطن نہیں بنا) حمایت، مدد، غمگساری، خیرخواہی اور باہمی رشتہ محبت کا حقدار نہیں بن سکتا ہے۔ہاں اگر ان کے اوپر ظلم ہو رہا ہے اور غیر اسلامی ریاست میں ان کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے تو کفار کے برخلاف ان کی مدد ہوسکتی ہے اور مومنوں کی طلب پر اسلامی ریاست کے اوپر یہ حتمی ہوجاتا ہے کہ غیر اسلامی ریاست کے مسلم باشندوں کی مدد کرے اور اگر ظلم وستم نہیں ہو رہا ہے غیر مسلم ریاست میں مسلمان چین سے رہ رہے ہیں

تو اسلامی ریاست ان کے مسئلے میں مداخلت نہیں کرے گی اور اگر ان پر ظلم ہو رہا ہے لیکن وہ ریاست کے تعاون کے طلبگار نہیں ہیں تو اسلامی ریاست کا ان کا تعاون کرنا ضروری نہیں ہے۔

اسی طرح کے تعاون کا حکم سورۃ النساء کی آیت ۷۵ میں بھی ہے۔لیکن یہ تعاون غیر مسلم ریاست کے ان مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہوسکتا ہے جس کے عوام اور حکمراں ظالم ہیں اور ان کا مسلم ریاست کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے۔اگر اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان معاہدہ ہو اور اس نے معاہدہ شکنی نہ کی ہو تو اس کی مسلم رعایا کی اس کے علی الرغم اسلامی ریاست تعاون بھی نہیں کرسکتی ہے۔

(ج) آیات قرآنی میں کفار کا ذکر ہے۔ان کے رشتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ کفار ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔کفار اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب سارے کے سارے اپنے غیر اسلامی عقائد واعمال، افکار ونظریات، ذہنیت اور رجحانات میں یکساں ہوتے ہیں۔ان کے عقائد واعمال، افکار ونظریات خواہ کتنے متنوع ہوں غیر اسلامی ہونے کے سبب ان کے اندر یکسانیت ہوتی ہے۔ان کا بطلان اور انجام انھیں یکساں بنا دیتا ہے۔

کفار کی کافرانہ ولایت اور باہمی تعاون دنیا کے لیے بہت بڑا فتنہ اور فساد ہے۔یہ ولایت کفر دو طرح سے شاداب ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کا سبب بنتی ہے جب ولایت اسلام کمزور یا ناپید ہو جائے۔ولایت کفر اور ولایت اسلام گڈمڈ ہو جائے۔

کامل مومن وہ ہیں جو اسلام کے پورے نظم کے ساتھ جیتے ہیں۔ان کے متعلق اللہ کا فرمان ہے:اولئك هم المؤمنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم اور دوسرے گروہ کو مستضعفین میں شمار کیا گیا ہے،الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان لا يستطيعون حيلة ولا يهتدون سبيلا (النساء)

(۴) مسلم اقلیت شرعاً مستضعفین میں شمار ہوتی ہے بلکہ یوں کہیے سارے عالم میں مسلمان مستضعفین میں شمار ہوں گے۔دور نبوت میں اسی استضعاف کے ازالہ کی گنجائش تھی

اور بعد میں بھی رہی لیکن بروقت نہ تو مہاجرت اسلامیہ کا امکان ہے، نہ مراغم ہے نہ حیلہ ہے نہ راہ ہے اور ایسی حالت میں رب کریم کی طرف سے عفو وکرم ہے۔پڑھیے یہ آیتیں:

ان الذين توفهم الملائكة ظالمى أنفسهم قالوا فيما كنتم قالوا كنا مستضعفين فى الأرض قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها فاولئك ماواهم جهنم وساء ت مصيرا (۹۷) الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان لا يستطيعون حيلة ولا يهتدون سبيلا (۹۸) فاولئك عسى الله أن يعفو عنهم وكان الله عفوا غفورا (۹۹) ومن يهاجرفى سبيل الله يجد فى الارض مراغما كثيرا وسعة ومن يخرج من بيته مهاجرا الى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع أجره على الله وكان الله غفورا رحيما (النساء:۹۷۔۱۰۰)

بے شک اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے لوگوں کی فرشتے روح قبض کریں گے ان سے کہیں گے تم کس حال میں پڑے ہوئے تھے؟ وہ جواب دیں گے ہم وطن میں ناتواں تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔آخر کار یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور بڑا برا ٹھکانا ہے اس سے مستثنیٰ ہیں وہ ناتواں مرد، عورتیں اور بچے جو کوئی تدبیر نہیں کر پاتے اور جنھیں کوئی راہ نہیں ملتی پس ایسوں کے لیے توقع ہے کہ اللہ انھیں درگذر فرمادے اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت بخش دینے والا ہے۔جو بھی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے زمین میں پناہ گاہیں مل سکتی ہیں اور گزران بھی اور جو بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف مہاجر بن کر نکلے گا اور اس اثنا میں اسے موت آجاتی ہے تو یقیناً اس کا اجر اللہ کے ہاں طے ہو چکا اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(۵) سورۃ نساء اور سورہ انفال کی ان آیات سے یہ طے ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو اسلامی ریاست میں بسنا چاہیے تاکہ اس کی کل زندگی دائرہ اسلام میں گزرے۔ایمان

لانے کے بعد اس کے لیے گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ بلا عذر غیر اسلامی ریاست کا متوطن
بنے۔ جو مسلمان ایسا کرے اس کی دین داری اور دین پسندی معتبر نہیں رہ جاتی ہے، نہ اس
کے لیے بخشائش کی امید رہ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اسلامی ریاست کے مسلم باشندوں کے
باہمی رشتہ ولایت ونصرت سے محروم ہوگا۔ وہ اسلامی ریاست کے حقوق سے محروم ہوگا مگر وہ
اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں سے بھی آزاد ہوگا۔ اور اسلامی ریاست پر ان کی طلب پر ان
کی مدد کرنا ضروری ہے اور اگر مدد طلب نہ کریں تو ضروری نہیں اور اگر وہ مدد طلب کریں مگر
ان کے غیر اسلامی ریاست اور مسلم ریاست میں معاہدہ شکنی نہیں ہوتی ہے تو حکومت کے
برخلاف مسلم باشندوں کی اسلامی ریاست مدد بھی نہیں کرسکتی۔

غیر اسلامی ریاست کے مسلم باشندے کے اوپر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ترک وطن
کرکے اسلامی ریاست میں آجائے اور اسلامی ریاست کی حکومت اور عوام کی ذمہ داری
ہے کہ اس کے گھر اور معاش کا انتظام کریں۔

جو لوگ مجبور ہوں اور غیر اسلامی ریاست سے نکلنا ان کے لیے ممکن نہ ہو، مہاجرت
کے لئے ساری راہیں بند ہوں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو، ان کے لیے رب کریم نے
عفو ودرگذر کا راستہ کھول رکھا ہے۔

بروقت نہ کوئی اسلامی ریاست ہے، نہ دینی مہاجرت کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ تقریباً مسلم
اور غیر مسلم ممالک یکساں ہیں۔ اجتماعی دینی مہاجرت کی راہیں بھی بند ہیں جو مسلمان جہاں
ہیں وہیں اس ملک کے باشندے ہیں۔ صورت حال ایسی ہے کہ غلبہ اسلام کی ساری راہیں
محدود ہیں۔ مسلم اقلیتیں دینی طور پر مستضعفین میں معدود ہیں اور دستوری طور پر اقلیت
ہیں۔ ان کی دینی حیثیت طے ہے۔ مسلمانوں کا باہمی کامل رشتہ ولایت متحقق نہیں ہو پاتا
ہے۔ ہر غیر مسلم ملک کا مسلم باشندہ ملکی دستوری حیثیت رکھتا ہے اور شرعاً اور دستوراً ہر ملک کا
باشندہ دوسرے ملک کے باشندے کے متعلق جوابدہ نہیں ہے۔

اور بروقت جس طرح ملکی دستاویز اور بین الاقوامی مواثیق میں ممالک بندھے ہوتے

ہیں کسی ملک کے باشندوں کو ملک کے خلاف تعاون دینا بھی غیر شرعی قرار پائے گا۔ ایسی
صورت میں کسی ملک کا دوسرے ملک کے خلاف جارحیت کا جواز نہیں رہ جاتا ہے اور مسلمان
ہونے کے ناطے ہمارے اوپر ہر جگہ طے پائے معاہدوں اور مواثیق کی پابندی بدرجہ اولی
ضروری ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ طے پا رہا تھا کہ کفار مکہ کے نمائندے عروہ کے
صاحبزادے ابوجندل جو مسلمان تھے پابند سلاسل کسی طرح مسلم خیمے میں پہنچ گئے معاہدہ
کے مطابق مکہ سے کوئی فرد مسلمان ہوکر مدینہ نہیں آسکتا تھا۔ رسول گرامی نے عروہ سے ان
کے صاحبزادے کو اپنے پاس رہنے اور مکہ واپس نہ بھیجنے کی گذارش کی عروہ نے انکار کردیا
اور بتاکید زور دیا کہ ابوجندل کی واپسی لازم ہے اور معاہدے پر پابندی کی ابتدا اسی وقت
سے ہونی چاہیے۔ بیٹے کی آہ وبکا نے مسلمانوں کے اندر پیچ وتاب پیدا کردیا مگر کافر ٹس سے
مس نہ ہوا۔ رسول گرامی ﷺ نے ابوجندل کو تسلی دی اور ڈھارس بندھایا کہ اللہ تعالی ان
کے لیے راہ نکالے گا۔ اسی طرح ایک دوسرے مکی فرد ابوبصیر اسلام قبول کرکے مکہ سے
بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ ان کے پیچھے دو مسلح مکی کافر مدینہ آئے اور معاہدے کے مطابق ان کی
واپسی کا رسول ﷺ سے مطالبہ کیا۔ رسول ﷺ نے انھیں مدینہ سے مکہ واپس بھیج دیا۔
راستے میں انہوں نے کسی طرح دشمن پر قبضہ پالیا اور اس کی تلوار سے اس کا کام تمام کردیا
دوسرا شخص جان بچاکر مکہ فرار ہوگیا۔ ابوبصیر پھر مدینہ پہنچے۔ رسول اللہ نے معاہدے کے
تحت مدینہ میں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ اسلامی ریاست کے حدود سے باہر (سیف
البحر) میں جا آباد ہوئے۔ پھر مکہ کا جو فرد مسلمان ہوتا وہیں چلا جاتا یہاں تک کہ سیف البحر
میں مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد آباد ہوگئی۔ یہ علاقہ اسلامی ریاست مدینہ کے حدود سے
باہر تھا اور مکہ کے کافر قبائلی نظام حکومت کے حدود میں بھی نہ تھا۔ یہ آبادی تجار مکہ کے قافلوں
کے لیے دردسر بن گئی۔ مجبوراً مکہ والوں نے معاہدے کے اس بند کو نکال دینے کے لیے
رسول پاک ﷺ سے گذارش کی جس کے تحت مکہ سے اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ پہنچنے
والے فرد کو مکہ واپس کردینے کی پابندی تھی۔

(۶) اس دستوری اور معاہداتی اور دستوری حقوق کی دنیا میں مسلمان کی حیثیت مستضعفین کی ہے۔ کہیں بھی وہ اپنا تعلیمی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی ایجنڈا بنانے کی پوزیشن میں نہیں رہ گئے ہیں مغربی ومشرقی آقا کے احکام صادر ہوتے ہیں اور مسلم حکمراں احکام کی بجا آوری کے پابند بن گئے ہیں اور دن بدن حالت بگڑتی ہی جارہی ہے۔ عالمیت کا نیوورلڈ آڈر جبر واستحصال کے دم پر لاگو ہے اور جمہوریت کا باطل مخنث نظام ہر جگہ دھونس دھاندلی کے ذریعہ لاگو کیا جارہا ہے۔ اس کے باوجود آج جس قدر اسلامی تعلیمات کے اثرات سے انسانی حقوق تسلیم کرلئے گئے ہیں اور ہر خطے میں تقریباً انسانی بنیادی حقوق تسلیم کئے جاتے ہیں ایسا پہلے دنیا میں نہیں تھا۔ دین کو اختیار کرنے کی آزادی، دعوت وتبلیغ کی آزادی، اظہار خیال کی اور ضمیر کی آزادی، آنے جانے کی سہولتیں، لوگوں تک اپنی باتیں پہنچانے کی سہولتیں، یہ ساری سہولتیں اس وقت میسر ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی، علاقائی وملکی ہر طرح کے اصول ضابطے، قوانین اور معاہدے موجود ہیں اور ان کی فعالیت بھی عموماً موجود ہے۔ دیر سویر ان کا نفاذ ہوتا ہے پھر ان کی نگرانی کرنے والی ایجنسیاں ہیں جو مخالفتوں اور لاقانونیت کی نگرانی اور محاسبہ کرتی رہتی ہیں۔ ایسی بھی ایجنسیاں موجود ہیں جو انسانی دکھ درد اور آسائش وآسانیوں کا جائزہ لیتی رہتی ہیں۔ بے شمار خلق کے ادارے موجود ہیں جو انسان کی مدد کے لئے کام کرتے ہیں۔ یہ اس زمانے کی ایسی سہولتیں ہیں جو پہلے فراہم نہ تھیں۔ ان تمام سہولیات اور آسانیوں نے مسلمانوں کے لئے پیغام الٰہی انسانوں تک پہنچانے کے لئے بہت آسان کردیا ہے۔

(۷) مسلمانوں کا لائحہ عمل موجودہ صورت میں کیا رہ جاتا ہے؟ ایک طرف ہماری بے بسی ناتوانی اور مستضعفین کی پوزیشن، دوسری طرف ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی ابدی حتمی تعلیمات ہیں اور ہمارے اوپر ذمہ داری ہے کہ انہیں تمام بنی نوع بشر تک پہنچائیں، تیسری طرف دین وملت کے تحفظ کا مسئلہ ہے، چوتھی طرف وقت کی یہ پرامن سہولیات ہیں۔ پانچویں طرف دنیا کے اعدائے اسلام کی سازشیں ہیں اور چھٹی طرف سالہا سال کی ہماری

جھود ہیں۔

ان چھ امور کو سامنے رکھ کے مسلمانوں کو لائحہ عمل بنانا چاہیے۔ پہلی بات یعنی ہماری مستضعفین کی حالت کی وضاحت ہوچکی اور یہ بھی بیان کیا جاچکا کہ مستضعفین کی حیثیت سے ہماری کیا دینی پوزیشن ہے اور ہماری حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

دوسری بات بھی طے ہے کہ اسلام پوری دنیا میں تمام انسانوں کے لئے آخری آسمانی دین ہے اور ساری دنیا تک پہنچانے کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کی گئی ہے اور دنیا میں امن وسلامتی اسلام کے بغیر نہیں آسکتی ہے، نہ آخرت میں اسلام کے بغیر کسی کو کامیابی مل سکتی ہے۔ تبلیغ ہر مسلمان پر اس کی وسعت کے اعتبار سے لازمی ہے اور دین کی تبلیغ کتاب وسنت کی تعلیم کے اعتبار سے نہ کہ مسلکی فہم وضابطوں کے مطابق جن کے سبب دین کے نام پر قبر پرستی، سے تعقل پرستی، پیر پرستی، تحریفات، تاویلات اور بدعات کثیرہ کو جائز قرار دے لیا گیا ہے۔ دنیا کے وہ افکار ونظریات جو مخالف اسلام ہوں خواہ ان کا تعلق سیاست سے ہو تعلیم سے ہو سماج یا معاش سے ہو یا کسی بھی شعبہ حیات سے ہو وہ قابل رد ہیں باطل ہیں۔

تیسری بات یہ ہے ہمارے اوپر دین کا تحفظ اور ملت کا تحفظ دونوں واجب ہیں جہاں فروغ دین کے لئے دین کی اشاعت لازمی ہے وہیں دین کی حفاظت بھی لازمی ہے۔ دین میں ملاوٹ یا افساد کی اساسی طور پر تین شکلیں ہیں اور خاص کر تین گروہ اس کے اندر افساد اور ملاوٹ کی کوشش کرتے ہیں اور ایک گروہ خاص ان تمام ملاوٹ اور افساد کی کوششوں کو ناکام بنانے پر لگا رہتا ہے۔ دین میں تحریف پیدا کرنا تحریف قرآن میں معنوی ہوسکی ہے لفظی تحریف کی گنجائش نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون احادیث میں لفظی ومعنوی دونوں تحریفات کی گنجائش ہے۔ موضوعات وضعاف بھی دین میں لفظی ومعنوی دونوں تحریفات کی بعض خاص شکلیں ہیں۔ اور تحریف کرنے والا گروہ غالیں کا ہوتی ہے یعنی شریعت کی تعلیمات، شرعی مفاہیم، شرعی مطالب پر انسان قانع نہ ہو بلکہ تعلیمات میں تبدیلی، تعلیمات کی بجا آوری میں من مانی اور غیر مطلوب کی انجام

دہی اورشرعی مفاہیم میں تغیر وتبدیل اورتحریف کی بیشی تغیر وتبدیل ہرطرح ہوسکتا ہے۔

دین میں افساد کی دوسری شکل انتحال ہے اورانتحال جعل سازی، ایجاد بدعت کام کرنے والے گروہ کا نام (مبطلین) ہے یعنی باطل پرست۔ بدعات باطل پرستوں کی مرغوب شئی ہوئی ہے۔ اکمال دین اوراتمام شریعت کا اعلان منی میں ذوالحجۃ ۱۰ھ میں رسول گرامی کی وفات سے تین ماہ قبل ہو چکا تھا۔لیکن دین وشریعت کے نام پر بدعتیں قیامت تک ایجاد کی جاتی رہیں گی۔ دین کے نام پراب تک ساری دنیا میں جتنی بدعات ایجاد ہوئی ہیں اگران سب کواکٹھا کیا جائے تو آخری نبی حضرت محمدﷺ کی اصل تعلیمات کے مقابلے میں ہزار گناہ زیادہ بدعات ایجاد ہوچکی ہیں اور اگرشیعوں، صوفیاء اورمقلدین کی تمام بدعات کوجمع کر دیا جائے توان کا احصاء ناممکن ہوگا۔کسی خاص خطے، خاص علاقے کی بدعتوں کا احصاء کیا جائے توانسان حیرت واستعجاب میں ڈوب جائے۔اگرصرف دیوبندی بدعتوں کا احصاء کیا جائے توان کے متصوفانہ افکارواعمال،قصص تبلیغ فقیہانہ فتاوی، ماتریدی عقائد، ان کے احوال ومواجید،کشوف والہام، منامات وشطحات، کرامات وتصرفات، غلوفی الصالحین کی اتنی بدعتیں اکٹھا ہوجائیں گی کہ ان خودکواہل سنت میں گنوانے میں حیا آئے گی اورخودکوبدعات بریلویت سے آگے پائیں گے اورکوئی کورکسر رہ جائے گاتبلیغی جتھے روزمرہ کے اوہام، اکاذیب، کرامات (اصلاً مخادعات) شرک، اقاصیص باطلہ بدعات سے پورا کردیں گے۔

بطلان جب انسان کے اوپراپنا رنگ جمالیتا ہے اورانسان بطلان کوایمان کے درجے میں رکھنے لگتا ہے تواس کے قلوب واذہان بدعات کی صنعت کا کارخانہ بن جاتے ہیں۔یہی کچھ حال بے چارے تبلیغیوں کا ہے۔ یہ بدعات کی ایجاد کی صنعت گاہ بن گئے ہیں۔ بدعات اعمال وعقائد ہرطرح کے ہوتے ہیں۔اورتعبدی طور پرکسی بھی ایجاد شدہ عقیدہ وعمل پرتعبد کا شرعی خول چڑھانا اوراسے مطلوب شرعی عقیدہ وعمل تسلیم کرنا بدعت ہے۔
افساد فی الدین کی تیسری شکل (تاویل الجاہلین) ہے۔تاویل کا شرعی مفہوم ہے

نصوص دین کی ایسی تشریح جواللہ اوراس کے رسول کومطلوب ہے اورنصوص شرعاً اورلغۃً اسی کے متحمل ہیں۔تاویل اول کے مفہوم میں ہے یعنی اصل کی طرف لوٹنا۔تاول العلماء کا یہی مفہوم ہے۔لیکن ’’تاویل الجاہلین‘‘ کا مفہوم ہے نصوص کے اصل شرعی مفہوم سے فرار اورنصوص کا باطل اصول وضوابط کے مطابق توڑمروڑ کرنا اورنصوص کوان کے اصل مفاہیم سے پھیرنا۔

اس غیر دینی تاویل کا کام کرنے والے (جاہلین) قرار پائے۔اب یہ غیر دینی تاویل چاہے شیعہ کریں، معتزلہ کریں، چاہے جہمیہ کریں، چاہے قدریہ مرجئہ کریں، چاہے اشعریہ وماتریدیہ کریں، چاہے صوفیاء کریں ، چاہے اصحاب مذاہب کریں ، چاہے آج کے سرپھرے تحریکی دانشور کریں، چاہے مستشرقین کریں سب پر (جاہلین) کا اطلاق ہوگا۔

دین میں افساد پیدا کرنے والے غالین، مبطلین اور جاہلین میں صحابہ، تابعین وتبع تابعین مشہودلہم بالخیر اوران کی راہ پر چلنے والے محدثین اہل حدیث کے سوا سبھی داخل ہوسکتے ہیں ان تینوں گروپ کے افسادات سے دین کوبچانے والے گروہ کورسول پاک نے عدول قرار دیا اوران کا عمل بتلایا کہ یہ ان تینوں گروہوں کے افسادات کورد کرتے اوران کا ازالہ کرتے رہیں گے۔ یہ کام بذات خود اتنا اعلیٰ ہے کہ ایسے ہی لوگوں کوطائفہ منصورہ کہا گیا اور قیامت تک ان کے تسلسل، بقا اورشادابی کی بارگاہ الٰہی سے ضمانت ملی۔ایک سنت کی حفاظت کے اجرکوایک شہید کے اجر کے برابر قرار دیا گیا۔ پہاڑ کے برابر بدعتیں اورروازنہ ان کا پرچار اوران پرعمل کتنا بھیانک کام ہے ان سب کے ازالے کا حوصلہ رکھنا اورتمام فرق اورمسالک کے دین پرسہ رخی یلغار کے خلاف مورچہ بند ہونا آسان نہیں دنیا کا سب سے زیادہ کٹھن کام ہے اوردینی کے ترجیحی کاموں میں سے ہے اوربسااوقات سب سے اہم کام ہے۔

اسی طرح ملت کا تحفظ بھی ضروری ہے۔مستضعفین میں آنے کے بعد مسلمانوں کی مرتبت کمزور ہوجاتی ہے۔غیر اسلامی اسٹیٹ کا شہری ہونے کے بعد وہ باہر کی مسلم دنیا سے

دستوری ولایت کا رشتہ کھو چکا ہوتا ہے۔وہ جغرافیائی حد بندی کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ان کا تحفظ بہت اہم ہے مستضعف ہو کر مسلمان اپنے تحفظ اور بقا کا ذمہ دار خود ہوتا ہے۔اگر وہ اپنے تحفظ کا شعور کھو دے اور ایک محدود جغرافیائی وجود کے باوجود اگر اس کے اندر اپنے تحفظ کے احساس کا فقدان ہو تو پھر اس کی حیات و ممات یکساں ہو جاتی ہے ۔ ناموس ملت اور وجود امت ایک اہم ترین حقیقت ہے ۔اس دنیا میں ایک سچے مسلمان کا وجود اگر غیر متحمل ہو جائے تو کائنات ارضی درحقیقت اپنا وجود کھو دینے کا استحقاق حاصل کر لیتی ہے۔ ایک سچا مسلمان اس عالم ارضی کا خلاصہ ہوتا ہے۔اگر دنیا اس کے وجود سے خالی ہو جائے تو پھر بقائے دنیا اور بقائے حیات ممکن نہیں رہ جاتی۔

چوتھی بات دیکھیں تو آج جس اشاعت دین کی سہولیات حاصل ہیں پہلے یہ سہولیات نہ تھیں۔ان کا صحیح استعمال وقت کی بڑی ذمہ داری ہے اور دعوت دین کے نقطۂ نظر سے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔جیسا کہ تفصیلات بیان ہوئیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اعدائے اسلام کی سازشیں بھی بہت بھاری ہیں اور لاتعداد ہیں اور اعداء اسلام بھی بہت ہیں اور متنوع بھی ہیں۔ان کی مسلسل کوشش ہے کہ ہماری کمزوریوں کا استحصال کریں، ہمارے مادی اسباب کا استحصال کریں، استبشار استشراق اور استعماریت کا آج ہمارے خلاف استعمال کریں اور ساری دنیا میں ہمیں رسوا اور بدنام کر کے رکھ دیں اور ساری دنیا کے لوگ اسی طرز عداوت کو بھی اختیار کرتے ہیں۔مسلمانوں کو تباہ کرنے، ان کا شیرازہ ان کے خلاف سازش کرنے، انھیں لڑانے، ان کو دین سے دور کرنے اور دین کو بدنام کرنے کے سارے حربے استعمال ہوتے ہیں مسلح حملوں سے لے کر ان گنت میڈیائی یلغار، اقتصادی سیاسی یلغار، علمی یلغار، افکار و نظریات کے یلغار، اس کی حیات و ممات یکساں ہو جاتی، فیشن انٹرٹیمنٹ کے ساتھ کنزیومنگ یلغار ہم پر ہو رہے ہیں۔ اور ہمارے مورل کو گرانے، ہمیں الجھانے، ہمارے دلی جذبات کے ساتھ کھیلنے کی ہر دم تدبیریں ہوتی ہیں۔ہمیں ذلیل کرنے کے وہ خوگر بن گئے ہیں۔ایسی حالت ضعف میں

اگر ہم ان کے ہر طرح شکار بنتے رہیں اور وہ ہمیں اپنا وکٹم بنانے میں لگے رہیں تو ہم کب تعمیر ملت اور وحدت ملت کے لئے وقت نکال سکیں گے۔اعدائے اسلام نے ہر طرف جال بچھا رکھے ہیں اور جال میں پھنسانے کی چالیں بھی چلی جاتی ہیں۔اس لئے وقت کا تقاضا ہے کہ جال سے خود کو بچائیں ۔ ان کے کئی جال اور کئی چالیں، جمہوریت، سیکولرزم، رافضیت ،تحریکیت ان کے لئے جال ہیں اور چالیں تو ایسی کثیر ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ایمبسیوں کی چالیں، اقوام متحدہ کی چالیں، فارن ڈپارٹمنٹ کی چالیں، ریسرچ و تحقیق کی چالیں، ٹکنالوجی ہیوی مشنری اور اسلحہ بیچنے کی چالیں، بھاری ٹھیکے لینے ناقص کام کرنے اور ٹھگنے کی چالیں اگر تفصیل کے ساتھ ان کے جالوں اور چالوں کی فہرست بنائی جائے اور ان کے فریب، مکر و خدیعت اور دھوکوں کا احصاء کیا جائے تو ان کو جان کر انسانیت کرب انگیز ہو اٹھے گی اور انسان پر مدہوشی طاری ہو جائے گی۔

ایسی کمزوری کی حالت میں دشمنان اسلام کی چالوں اور جالوں میں پھنس کر خمینی، صدام، حکمت یار احمد شاہ مسعود، حزب اللہ، نصر اللہ کی دہائی لگانا پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ناصر، انور سادات، سیسی، مصطفیٰ کمال، بھٹو اور مجیب کے نام پر سینہ کوبی حماقت ہی حماقت ہے۔ان حماقتوں سے ہمیں ملا کیا اورتھلا پن، بددینی، بدخلقی، عداوت، حزبیت، گمراہی، تعنت، خوش فہمی، انتشار، پراگندگی، سوسالوں سے لفظی پہلوانی، عداوت، مخالفت، تصادم، خونریزی، بغاوت، دشنام دہی، اتہام طرازی اور حق و باطل کو ایک بنانا، بروں کو سر پر بٹھانا، اچھوں اور محسنوں کو گالی دینا، مرفوض و مسترد کرنا اور اوپر سے اسے صحوہ اسلامیہ قرار دینے کی حماقت کرنا اور ساری اہل سنت سرگرمیوں اور اہل سنت خطوں کو دشمن اسلام رافضیوں کے حوالے کر دینا یہ ہیں ہمارے کرتوت۔امت کے ضیاع اور تباہی کا سارا سامان مہیا کر لیا گیا۔

کیا ان تمام تلخ تجربوں، تباہیوں اور ناکامیوں، تحریکی حماقتوں اور لاکھوں مسلمانوں کو کٹوانے کے بعد اب بھی وقت نہیں کہ سوچیں اور نئی نسل کو حماقتوں سے بچائیں۔

(۸) ان چھ امور کو زیر غور لانے کے بعد ہمارے اوپر یہ حتمی ہوگیا ہے کہ اب اپنی روش بدل ڈالیں اور اپنے ترجیحی ایجنڈے کو طے کرلیں۔ اب تک بلا وجہ تحریکیوں کی غوغائیت اور ہڑبونگ عالم اسلام میں مچی تھی اور میڈیا کے ذریعے نئی تعلیم یافتہ نسل کے کچھ ایک معتد بہ حصے کے لئے باعث کشش بنی ہوتی تھی۔اس جھوٹی کشش نے بہتوں کی زندگی کو تباہ کیا اور غوغائیت کے زیراثر آکر بہت سے جوانوں کی دنیا وآخرت تباہ ہوئی۔اس وقت مسلمان دنیا میں ان ہڑبونگیوں اور بے سمت لوگوں کے سبب رسوا اور ذلیل ہورہے ہیں۔ پوری تاریخ اسلام میں شاید اتنا بے شعور، خوش فہم اور ساری نئی پرانی گمراہیوں سے لدے ہوئے ایسے تحریکی کی مثال نہیں ملے گی۔

ملت کے ترجیحی ایجنڈے

ملت اسلامیہ ہند یا کسی بھی اقلیت کے ترجیحی ایجنڈوں میں یہ چیزیں شامل ہیں۔

ا۔دعوت

دعوت اشاعت اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ کام کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں اور کسی زمانے میں ہوسکتا ہے۔ یہ انفرادی طور پر بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عملا بھی ہوسکتا اور لفظا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ تحریری طور پر بھی ہوسکتا ہے اور زبانی بھی ہوسکتا۔ یہ ہتھیار اٹھا کر بھی ہوسکتا ہے اور قلم کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے۔دعوت خدمت خلق کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اور تعلیم وتدریس کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے۔دعوت میں امر بالمعروف بھی آتا ہے اور نہی عن المنکر بھی۔ کام مسلمانوں میں ہوتا ہے اور غیر مسلموں میں بھی دعوت کا کام بلاد کفر میں بھی ہوسکتا ہے اور اسلامی ریاست میں بھی۔دعوت کا مثالی کام منابر مساجد سے ہوتا ہے اور اب دعوت کا کام میڈیا کے ذریعہ برق رفتاری سے ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے مستقبل میں کچھ دیگر ذرائع بھی دریافت ہوں۔

دعوت کے کام میں اخلاص، صالحیت، علم خالص، نصح وخیر خواہی اور افہام تفہیم ضروری ہے۔یہی خوبیاں دعوت کو مؤثر بناتی ہیں اور انسان کے اندر بنیادی تبدیلی لاتی ہیں۔اگر یہ

خوبیاں نہ ہوں تو دعوت دعوت نہیں رہ جاتی ہے، خالی زبان خرچی کا مسئلہ بن کر رہ جاتی ہے۔

دعوت کی نگرانی ضروری ہوتی ہے تا کہ:

- اسے کمائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- اسے شہرت کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- خاص افکار کی ترویج کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- بدعات کی ترویج نہ ہو، شرک واباحیت نہ پھیلے۔
- سیاسی مقاصد نہ حاصل کئے جائیں۔
- تقلید وتصوف کی حزبیاتی اور فرقہ وارانہ دعوت نہ بن جائے۔
- ذات برادری، گروپ اور مسلک کی ترویج کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- دین میں کمی بیشی نہ کی جائے۔
- من پسند باتیں کی جائیں اور نہی عن المنکر سے احتراز کیا جائے۔
- قصہ کہانی اور قصہ گوئی بن کر نہ رہ جائے۔
- باطل افکار واعتقاد کی اشاعت کا ذریعہ نہ بنے۔
- خارجیت کی راہ نہ اپنالے۔
- باطنیت کی راہ پر چلنے سے اسے بچایا جائے۔

اگر دعوت وتبلیغ مذکورامور کے لئے ہوں تو ایسی دعوت تباہی ضرورلاتی ہے اور جہنم خریدنے کا پیش خیمہ ہوئی ہے۔انسان اگر دعوت کے ذریعہ دنیا کا حصول چاہتا ہے تو رسوائی اس کا مقدر ہوتی ہے اور جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا۔اور مشکل بھی ہے کہ اس وقت دعوت وتبلیغ کے چیمپین ایسے لوگ بن گئے جن کی دعوت کا مقصد مذکورہ امور کا حصول ہے اور جب سے (میڈیا ملا) پیدا ہوئے ہیں اور ان پر (فیس بک ملا) (انٹرنیٹ ملا) (ٹویٹر ملا) پیدا ہوگئے ہیں انہوں نے دین اور علوم دین کو اپنے گھر کی کھتونی بنا ڈالا ہے

اوران کا جاہلانہ تعنت ایسا بڑھ گیا ہے کہ خود کو عالم، داعی، مفتی، فاضل پتہ نہیں کیا سمجھنے کا جرم پال لیا ہے اور دعوت واجتماعیت بلکہ صالحیت اور شرافت کے دشمن بن گئے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہے جیسے چوزہ انڈے سے نکلتے ہی آنکھ کھولے بغیر انڈا دینے کی ہوس پال لے۔ (تحریکی ملا) توسب سے خطرناک تھے ہی اور (قاضی کے قصہ گوشکم پرورملا) بھی سخت خطرناک تھے تو آج کے (دانشوراستشر اقی ملا اور (میڈیائی ملا) سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔اور (میڈیائی ملائیت) سے نکل کر یہ لوگ (خارجی ملا) بن گئے ہیں۔اپنی ننھی منی عقل اوراور ننھے منے علم اور تھوہڑ کے پیڑ کی مانند ہوس شہرت کو دنیا کا سب سے بڑا کمال جانتے ہیں۔انار کی نراج ،انتشار، بے عقلی اور خود پسندی کے امراض سے یہ ایسے دوچار ہوتے ہیں کہ نہ علم کے رہ جاتے ہیں نہ دین کے،اس میں (تحریکی دانشورملا) سب سے زیادہ خطرناک (خارجی ملا) بن رہے ہیں۔

دعوت کا کام اگر صحیح طریقے سے کتاب وسنت کی مطلوب تعلیمات کی بنیاد پر ہوتا ہے تو داعی اور مدعو دونوں کے اندر صالحیت پیدا ہوتی ہے،قلوب واذہان میں قرب پیدا ہوتا ہے اور ذہنی وقلبی بعد دور ہوتا ہے۔اعلائے کلمہ الحق کے لیے توانائی اکھٹا ہوتی ہے، جذبے اور لگن میں اضافہ ہوتا ہے،شکوک وشبہات دونوں ہوتے ہیں، سیرت وکردار کی تشکیل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ارزانی ہوتی ہے اوراس کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔دین کی چاشنی ملتی ہے، دینی ذوق اور مزاج بنتا ہے، یکتائی آتی ہے اوراجتماعیت اور وحدت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔

دعوت وتبلیغ پر علماء ثقات کی نگرانی ہر حال میں لازمی ہے۔ جب بھی ان کی نگرانی غیر مسلم ہوگی دعوت کا کام ختم ہوجائے گا،اس کی جگہ فتنہ فساد لے لیں گے اور ذاتی ہوس کا غلبہ ہوگا۔ذاتی مقاصد کا حصول سب سے اہم بن جائے گا۔دعوت کا کام بطور ابلاغ کوئی بھی اپنی حسب صلاحیت معمولی پیمانے پر یا بڑے پیمانے پر کرسکتا ہے۔کتابیں وکیسٹ تقسیم کرسکتا ہے،خدمت خلق کے ذریعہ لوگوں کو لبھاسکتا ہے۔چند تقریریں رٹ کر خطیبانہ آہنگ

سے لوگوں رجھا سکتا ہے ٹی وی کے ذریعہ لوگوں کے دلوں اور گھروں میں گھسنے کا جعلی یا حقیقی دعوے کرسکتا ہے مرکز بنا کرلوگوں کو اکٹھا کرسکتا ہے اوراسپیکرز کی خدمات حاصل کرسکتا ہے۔ انہیں فنون دعوت کہہ سکتے ہیں ابلاغ دعوت کہہ سکتے ہیں۔ایک دعوت کو غیر مفید بننے سے روکنے میں ان کا کوئی رول نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ سب ایک روبوٹ قسم کے کام ہوسکتے ہیں ۔دعوت پراصل کمانڈ علماء کا ہوتا ہے وہی دعوت کو صحیح علمی وتربیتی رخ دے سکتے ہیں اور ثقہ علماء ہی دعوت کے ذریعہ اسلام کو دل ودماغ میں اتار سکتے ہیں اورانسانی سیرت وکردار کا جزء بنا سکتے ہیں اورانسانی وجود کو اسلام کے قالب میں ڈھال سکتے ہیں اوراسلام کی مکمل صحیح تعبیر پیش کرسکتے ہیں، شکوک وشبہات کو دور کرسکتے ہیں۔ اپنے استناد اوراخلاص اور معتبریت انسانی وجود میں زندگی اور حرارت بناسکتے ہیں۔اسلام صرف قانونی اوردستوری حقیقت اور سچائی ہی نہیں ہے بلکہ وہ انسانوں کے اندر دینی زندگی، جوش، جذبہ، حرارت، تازگی، شادابی، توانائی، جان نثاری، اعتبار واعتماد، محبت وطاعت ،امید وخوف، قربانی، ایثار، بے نفسی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔دعوت میں ایک عام آدمی بھی نصوص دین اوراس کے معانی ومفاہیم کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے لیکن ایمانی صداقت اور تیقن کا وہ جذبہ ہر آدمی کہاں سے لائے گا اور مذکورہ تمام غیر مرئی معانی اور قلبی اعمال واحساس کہاں سے لائے گا جن کے حصول میں بسا اوقات عمر گذر جاتی ہے مگران کا ادراک واحساس غیر ممکن ہوتا ہے۔ ان کا صحیح ادراک اوران کی صحیح تعبیر صرف علماء کرسکتے ہیں۔اوران کو صحیح طور پر دوسرے کے اندر علماء ہی منتقل کرسکتے ہیں حتی کہ مثبت اور ثقہ علماء کے علاوہ بقراط وسقراط غیر ثقہ علماء کے بس کا بھی نہیں کہ ان قلبی اعمال واحساسات اور تیقنات کو دوسروں تک منتقل کرسکیں۔قلبی اعمال واحساسات اور تیقنات بہت نازک ہوتے ہیں۔ یہ شخصی عزائم ،خواہشات اور ذاتی مفادات کے ساتھ نہیں چل سکتے اورانھیں کھونے یا ان سے محروم ہونے کے بعد بڑے سے بڑے عالم کے اندر دعوت کو موثر بنانے کی صلاحیت نہیں رہ جاتی ہے۔

دعوت دین کا کام اگر ہمہ گیر اور موثر نہ ہو اور دین کو بطور دین نہ پیش کیا جائے بلکہ

حزبیاتی انتخابات ،نفس پرستانہ آلائش ، سیاسی عزائم ، دانشورانہ رائے اورانسانی افکارکی حیثیت سے پیش کیا جائے تو شاید بھیڑزیادہ جمع کرلیا جائے یا لوگوں کوغیر دینی جذبات کے تحت وقتی طور پر باندھ لیا جائے ۔ان سب کا امکان ہے لیکن یہ کہ ایک متقی انسان بنایا جاسکے، اللہ سے اس کا تعلق جوڑا جاسکے، پائیدار سیرت وکردار کی تشکیل ہوسکے، معتدل اورمتوازن بندہ مومن بنایا جاسکے اس کا امکان نہیں رہتا ہے ۔غلط دعوت ، غلط طریقہ دعوت سے مستقیم انسان، مستقیم سیرت وکردار کا مسلمان نہیں بنایا جاسکتا ہے ۔

بدقسمتی سے دعوت کا جو کام ہندوستان میں ہورہا ہے وہ ہڑبونگ ، ہنگامہ، فیشن ، ذاتی مکتسبات کا عمل زیادہ ہے دعوت کم ہے ۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا دعوت کے نام پر حزبیاتی ، متصوفانہ، قصصی دعوت زیادہ ہے ۔رجال وافراد کی طرف بلاوا زیادہ ہے، دینی جزءیات کی دعوت بیش ازبیش ہے ۔ دین کو انسانی افکار بنا کر سیاسی عزائم کا رنگ دے کر دعوت دینے کی کوشش زیادہ ہے ۔ جماعتوں اورگروپوں کی طرف بلاوا زیادہ ہے ۔

مسلمانوں کے اندر داخلی دعوت پر زورزیادہ ہے ۔دعوت ایقان ،اذعان، تفہیم ،حکمت وموعظت کے اسلوب اورلہجہ میں عموما نہیں ہوتی ہے نہ اقناعی وبرہانی ہوتی ہے ۔ دعوت جذباتی ، قصصی ، مجادلاتی ، افتائی اورمذہبی ہوتی ہے ۔ دعوت میں تضحیک ، استہزاء ، تکفیر اوراتہامات وشتائم کی کثرت ہوتی ہے ۔عموما اہل سنت کہے جانے والے حلقے کی دعوت میں اس تعصب ،حزبیت اور بدعنوانی کا راج ہے ۔

اور ہڑبونگی جلسوں میں عموما یہ رنگ زیادہ نکھرتا ہے اوربسا اوقات انسانیت ،شرافت ، ثقاہت اورعلمیت کا مذاق ہوتا ہے اوراکتساب زر، شہرت نامہ آوری ہی ان جلسوں کے عناوین ہوتے ہیں ۔ایسے خطباء شہ نشین بنتے میں اوران کے جیب وشکم کے جہنم کو بھرنے کا اہتمام ہوتا ہے جو علم واخلاق اورسیرت وکردار کے نام پر ننگ ہوتے ہیں ۔ان پیشہ ورانہ تقریروں سے دین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ان سے عوامی اخلاقیات انحطاط کا شکار ہوتی ہیں اورعلم وانسانیت کی تضحیک ہوتی ہے ۔کردار کی نفی یہ (حشب مسندہ) جہل ،تعصب ،نفرت ،

عداوت ، کبر اور ریاکاری کا مجسمہ ہوتے ہیں ۔دراصل یہ اسلام ،مسلمان اورانسانیت کے حق میں مجرم ہیں ان مجرموں کو عزت دینے سے اقدار اسلامی کی توہین ہوتی ہے ۔شر کے یہ گماشتے امت کے جیب وضمیر کے اوپر بوجھ ہیں اور سیاست پسند اسلامیوں کی دانشورانہ تقریریں اذہان وقلوب کو بگاڑنے اورحزبیت پھیلانے کے لیے سم قاتل ہیں ۔مسلمانوں کے اندر دعوت وتبلیغ کے حوالے سے جمعہ کے خطبات ، ثقہ علماء کے دروس اورتدریس اورتقاریر ہی حاصل دعوت ہیں لیکن جعلی دعوت وتبلیغ کے مقابلے میں ان کا حجم کم ہے ۔

ہندوستان میں شیعہ حضرات کو چھوڑ کر کہ وہ خارج از بحث ہیں اہل سنت کہلانے جانے والے حلقے میں دعوت کی عمومی حالت یہی ہے ۔ان کی دعوت عموما مس گائڈ ہے، انتشار وخلفشار کا شکار ہے، ہڑبونگ وہنگامہ ہے ۔اس کی نگرانی نہیں ہے ، نہ ان پر کسی کا کنٹرول ہے ۔عموما عوام کی پسند اس پر حاوی ہے اورعوام کو رجھانے اوران سے کمانے کا رجحان ہے ۔ وہ ثقہ علماء کی نگرانی سے محروم ہے اور ساری بلائیں اس کے ساتھ چلتی ہیں ۔ عوام میں علم اورعلماء کی بے اعتباری بڑھ رہی ہے ۔

عوام میں علم دین کی ناقدری اورعلماء بےزاری بڑھ رہی ہے ۔میڈیا نے جب سے دعوت کو پیشہ بنانا شروع کیا ہے اس کا سب سے زیادہ منفی اثر یہ بڑھ رہا ہے کہ میڈیائی اسلام کا ہرا یراغیرا اکسپرٹ تسلیم کیا جانے لگا ہے اوراہل سنت کے حلقے کے نوجوان جن کو دین کی معمولی شدبد ہوجاتی ہے بطور خاص سرپھرے پن کا ثبوت دینے لگتے ہیں ۔ برصغیر میں مودودی تحریکیت سے متاثر تحریکی نشے کو پیے ہوئے نوجوانوں کے علمی کبر کا تھرمامیٹر بہت ہائی ہوتا تھا ۔ ان کا روڈ مین اوراکثر روڈ مین ہی ہوتے ہیں ۔ بڑے بڑے علماء وقت اساطین علم وفقاہت ، زہد واتقا کے ائمہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے نہ لائے ہیں ۔ یہ شخصی منی عقل اورعلم وخرد کے چوزے جن کی آنکھ بھی نہیں کھلی ہوئی ہے جہل کے شجرزقوم میں ملت کے لیے آتشین بارود سے کم نہیں ہیں ۔معمولی مسائل میں ملت کو یہ آتش زیرپا بنانے میں سب سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں ۔ان کے اثرات بدتو تھے ہی اب اس شاخ بریدہ کی راہ

پر ایسے نوجوان بھی چل پڑے ہیں جو ہر دم گم گشتگی کے شکار رہتے ہیں اور فقہ وفتوی کا امام بنے ہوئے ہیں اور وقت کے دعاۃ اکبر میں خود کو شمار کرتے ہیں اور ملت کے شاہینوں کو شکار کرنے کے لئے زمین دعوت پر دام ہم رنگ بچھاتے ہیں۔

غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کا بھی ایک فیشن چل پڑا ہے۔ غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کے مالکانہ حقوق تحریکیوں نے اپنے لئے محفوظ کرر کھے تھے جس کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا اور خصوصا قرآن تقسیم کرتے وقت فوٹو چھپوانے میں۔ زمینی حقائق ان کی دعوت وتبلیغ کی تو کبھی قابل فہم نہیں رہی۔ جیسے ان کے دیگر اوہام اور تعلیات تھیں اور ہیں اس کا حال بھی انھیں اوہام اور تعلیوں جیسا ہے۔

غیر مسلمانوں میں دعوت وتبلیغ کا مخلص اور حقیقی گروپ پیدا ہوا جنہوں نے شہرہ اور میڈیا سے خود کو دور رکھا اور میدانی کاموں پر توجہ زیادہ دی۔ اس کے لئے دعاۃ تیار کئے، انھیں تربیت دی۔ اس کا بہترین نتیجہ سامنے آیا اور بہت سے قلوب نور ایمان سے منور ہوئے۔

ان کے سوا یکہ دکا پورے ملک میں کام ہوتا رہا، اور اس کے نتائج بھی سامنے آئے اور مفید نتائج نکلے۔ مذکورہ گروپ کی دیکھا دیکھی ایسے لوگ بھی میدان میں آگئے اور ایسے آؤ بھاؤ سے اور ایسے دعاوی اور منامات کے سہارے کہ ایسا لگتا ہے سارے ملک ان کے قدموں پر جھک گیا اور ان کے ہاتھ پر اسلام کے لئے پتنگوں کی طرح ٹوٹ پڑا ہے۔ میڈیا میں چرچے اور ان کی نمائش، جنگ وجدال، مناظرہ کے لئے سانڈوں کی طرح دھاڑنا اور دعوت دین کو میدان کارزار بنانا، پہلوانی دکھانا اور جاہلوں کی سی جرأت دکھلانا اور مذمتی اسلوب اختیار کرنا اور غیر اسلامی کتب دینیہ کا قرآن کریم سے تقابل کرنے کا احمقانہ رویہ اختیار کرنا یہ سب تماشے کئی ایک نے غیر مسلموں میں دعوت دین کے نام پر کئے اور جعل سازی کے تماشے دکھلائے۔ ان کم علم دانشوروں نے دعوت کے نام پر ایسی فضا بنائی اور ایسے ایسے چمتکار دکھلانے کی کوشش کی کہ ایسا لگتا تھا دین کے نام پر ایک نیا کلٹ بن

جائیں معمولی پڑھا لکھا منامات وتوہمات کا داعی کلیم صدیقی نے جلوہ دکھلایا۔ ان کو ندوہ والوں نے مسترد قرار دیا۔ عبداللہ طارق رامپوری ایک موہوم نام علماء دیوبند نے ان کی گمراہیوں کو طشت از بام کیا۔ طارق مرتضی علی گڑھ کا ایک شوریدہ سر عبداللہ طارق کا دم چھلا انہوں نے دین کو کھیل بنالیا اور ایسے دانشور بن گئے کہ بائبل گیتا اور رامائن کو قرآن کریم کے برابر گرداننے لگے اور احادیث رسول کے مکمل دشمن بن گئے۔ علی گڑھ شوریدہ سروں کی سرزمین، دین کو فیشن بنانے والوں کی سرزمین، ان تینوں کو یہاں پذیرائی جب دیکھو سر اٹھائے چلے آرہے ہیں اور دین کے نام پر غرہ میں مبتلا خود کو دانشور سمجھنے والوں کا سہارا، کچھ دنوں تک چمکے اور اب اللہ کا شکر ہے ان کے فتنے تھمے۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلے کو پائدار مضبوط اور صحیح بنانے کی شدید ضرورت ہے۔

- دعوت وتبلیغ پر کلی طور پر علماء ثقات کا کنٹرول لازمی ہے خواہ وہ میڈیا کے ذریعہ ہو یا کسی اور کے ذریعہ ہو۔ خواہ مسلمانوں کے اندر ہو یا غیر مسلموں کے اندر۔
- دعوت وتبلیغ حزبیاتی نہ ہو۔
- دعوت وتبلیغ کتاب وسنت کے دلائل پر مبنی ہو۔
- دعوت وتبلیغ اقناعی اور مفاہمت کی بنیاد پر ہو۔
- دعوت وتبلیغ جزئیاتی نہ ہو۔
- دعوت وتبلیغ اصولی ہو۔
- دعوت وتبلیغ کے مطلوب، اصول وضوابط سامنے رہیں جیسے علم، صالحیت، اخلاص، تناصح وغیرہ۔
- دعوت وتبلیغ موازناتی، مجادلاتی اور مناظراتی نہ ہو۔
- دعوت وتبلیغ کو تشکیکات، تعقلات اور تفردات بچایا جائے۔
- دعوت وتبلیغ کو شخصی افکار وآراء اور نظریات سے بچایا جائے۔
- دعوت وتبلیغ کو انسانی نظریات وافکار کی آمیزش سے بچایا جائے۔

دعوت دین میں اتنے امکانات ہیں کہ اگر سلبیات سے اسے بچایا جائے اوررسول اکرم ﷺ کے اسوہ کے مطابق دعوت وتبلیغ کا کام ہوتو دنیا میں آج اساسی تبدیلی آسکتی ہے اورخیر کے سارے ذرائع بروئے کارآسکتے ہیں۔

۲۔ علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت:

مسلم اقلیت کے استقرار اورثبات کے لیے لابدی ہے کہ مسلم سماج میں علوم اسلامیہ کا ادراک زیادہ گہرا ہو۔علوم اسلامیہ مسلم سماج کی اصلی پہچان ہے، اس کے وجود کی اساس ہیں ان کا تشخص اوراصلی کردار ہیں۔

ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تدریس واشاعت اورتعلیم کا چرچا تو بہت ہے لیکن حقیقت میں ایسا ہے نہیں۔عموما ان کوتبرک کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اوررواجی وحزبیاتی تقلیدی طور پر ان کی تعلیم ہوتی ہے۔علوم اسلامیہ میں مہارت، درک اورعمق انسان کو بابصیرت، حکیم اور تابناک بنادیتی ہے۔اس سے انسان کی شخصیت کھل اٹھتی ہے، پیاری اور پاکیزہ بن جاتی ہے۔ان کے حصول سے انسان انسانیت،عبدیت،تواضع،حلم ووقار کے عروج اورکمال پر پہنچ جاتا ہے۔اگرکسی کوعلم ووقار کا پیکر ملاحظہ کرنا تو شیخ ابن باز، شیخ عثیمین اوران کے شاگردوں کودیکھے،علامہ البانی اوران کے شاگردوں کودیکھے۔

علوم اسلامیہ میں علوم قرآن،علوم حدیث،فقہ،اصول فقہ،عقائد،اصول عقائد آتے ہیں۔ان کے معاون علوم صرف،نحو،بلاغت اورادب عربی ہیں۔ان علوم کے زیراثر رہنے والے معاشرے میں استناد، برہان،حکمت،ہدایت، حجت،بصیرت ہمیشہ فراواں رہے گی۔ جب بھی اہل سنت کے مرتب علوم کی تعلیم ہوگی اورمعیارفہم واستنادسلف صالحین کے فہم وتعبیرات کو مانا جائے گا ایسا معاشرہ زندہ معاشرہ رہے گا۔

بدقسمتی سے اہل سنت کہے جانے والے اداروں میں عموما ان علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے جوسلف صالحین کے فہم اورمنہج کے مطابق نہیں ہیں نصوص کتاب وسنت کی عمومی تعلیم بطور تبرک ہوتی ہے۔تقلید وتصوف پر ہے۔ساری فقہ واصول فقہ فقہی ومسلکی تقلید پر منحصر ہے

اوراس تقلید نے جنگ وجدال، مخاصمت، مجادلت، حزبیاتی منافرت، مسلکی تعصّبات کی بدعت کے سوا کچھ نہ دیا ہے۔ان سے ایسی رجال پرستی کو بڑھاوا ہے کہ رجال مسلک خواہ صحیح کہیں یا غلط کہیں سب صحیح بس خطا کا امکان اورغیر رجال مسلک کی ساری باتیں غلط صحت کا فقط امکان اورایسے ایسے اصول وضابطے بنے کہ نصوص حدیث سے پیچھا چھوٹے اور دوسروں کی کاٹ ہوسکے۔ان اصول نے اباحیت پرستی سکھلائی، حیلہ حلالہ کی راہ دکھلائی، محرمات کوحلال اورحلال کومحرمات میں داخل کیا، فرائض کے سقوط کوتدبیریں ہوئیں، رائے اورقیاس کونص پر ترجیح دی، کفو کے مسئلے نے سماجی طبقات قائم کیے، اسلام کے نظام مساوات کو پامال کیا اورکل دین کواپنی ہوس پرستی اوراکتساب دولت وشہرت کا ذریعہ بنایا۔

اورفقہ بھی متاخرین کی پڑھائی جاتی ہے جس میں قیل وقال اورفرقہ پرستی ومجادلت زیادہ رہتی ہے اوراسلوب مذمتی وتردیدی ہوتا ہے اورروح دین سے خالی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسی فقہی تعلیم کے حصول سے مخاصمت اورمجادلت ہی کا ذہن بن سکتا ہے ۔ متاخرین کے مسلکی طرز فکر ومجادلاتی اسلوب کلام اورفلسفہ یونان کے زیراثر کلامی مباحث کو کچی عمر کے بچے جب پڑھتے ہیں یا ان مباحث کو پڑھایا جاتا ہے تواس کا اثر اس کے سوا اورکیا ہوگا کہ مسلکی کروسیڈر پیدا ہوں اورتنگ نظری میں اتنے ممتاز نکل جائیں کہ دوسروں کو برداشت کرنے کا ان کے پاس یارا نہ رہ جائے۔

یہی حال تفسیر کا ہے۔تفسیر بالرای اورتفسیر اشاری کا رواج مدارس میں ہے۔ان سے کلام الہی کلام بشر بن جاتا ہے اورکلام الہی کے سارے خصائص اوراس کے سارے ادبی، عقائدی، اخلاقی اور تربیتی اثرات ختم ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اس کی آفاقیت روحانیت اوراصلاحی تاثیر ختم ہوجاتی ہے۔مسالک کے سانچے میں ڈھلے فقہیات اورکلامی عقائد پر سارا زورصرف ہوکر رہ جاتا ہے۔ساری کائنات پراس کی کارفرما ربوبیت اورانسانوں پر اس کی رحمانیت ورحیمیت، اس کی الوہیت کے بکھرے مناظر اورتمام پیغمبروں کی دعوت، اس کے اسماء وصفات اور ربوبیت کے سارے کمالات تدریس تفسیر میں غائب ہوجاتے

ہیں اورایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں تفسیر بالرای کی ترجمانی ہوتی ہے۔علوم قرآن کے نام پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

کلام پاک کی ایک حیثیت برہان وفرقان کی ہے۔اس نے حق وباطل کے درمیان قیامت تک کے لئے امتیاز پیدا کردیا ہےاوروہ انسانی افکارونظریات جواس کے طے کردہ خط مستقیم سے باہرہوں ان کو باطل قرار دیا ہے ۔قرآن کریم کا جوطرز استدلال ہے اورمشاہداتی ،تکوینی وعقابی جونتائج ہیں وہ مکمل نظرانداز ہوجاتے ہیں۔قرآن کے جوانفس وآفاق کے دلائل ہیں اوران سے انسانی عقل جونتائج برآمد کرسکتی ہےان کوکلی طور پرنظرانداز کردیا جاتا ہے۔

تفسیر قرآن پرمدارس اسلامیہ میں سب سے کم توجہ دی جاتی ہے اورصرف لفظی اورکلامی امور پرتوجہ ہوتی ہے۔قرآن کریم پرایک ظلم یہ روا کرلیا گیا ہے کہ ہراہراغیرقرآن کا ترجمہ اورتفسیر کرنے لگا ہے۔عبدالکریم پاریکھ صاحب کا عربی زبان نہیں جانتے تھے،ترجمہ کا شوق پال لیااورمشکل یہ ہے کہ ان کی توثیق بھی علماء نے کردی جبکہ یہ قرآن کریم کےاوپر ظلم ہے اورغیرعربی داں کے لئے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا حرام ہے۔حیرت تو یہ ہے کہ ایک پٹوادی منکرحدیث نے قرآن کریم کا ترجمہ کرڈالا۔کیسے کیا پتہ نہیں؟تحریکیوں نے قرآن کریم کے ساتھ سب سے زیادہ ناروا سلوک کیا۔جس کودیکھ بغل میں تفہیم القرآن دبائے مفسرقرآن بنا گھومتا ہے جبکہ بذات تفہیم القرآن اردومیں سب سے زیادہ ناقص اورغیرمستند تفسیر ہے اورتفسیر کے ملک نئے نظریے کے تحت سیاسی تفسیر کرنے کی کوشش کی ۔اس کی تصویرتفسیر بالرای کی بن گئی ہے۔تماشایہ ہے کہ جن کواردو بھی صحیح طور پرنہیں آتی وہ بھی تدبر فی القرآن کا ناٹک کرتے ہیں اورقرآن میں غوطہ لگانے کی بزم سجاتے ہیں بے شک قرآن سیکھنے اس کو سمجھنے کا جذبہ قابل قدر ہے لیکن سمجھنے اورخودمفسر بننے میں بڑا فرق ہے۔کسی بھی مستندتفسیر اورترجمہ کوسامنے رکھ کرلوگ پڑھیں اورحتی المقدورقرآن معانی ومطالب سمجھیں مطلوب ہے لیکن خوش فہمی اورعلم کے جھوٹے غرورنے جاہلوں کے اندرمفسرقرآن بننے کالپکا

لگادیا ہے۔ایک صاحب اسراراحمد ڈاکٹرہوا کرتے تھے،انہوں نے مودودی کے سیاسی منہج تفسیر کو اپنایا اورٹی وی مفسربن گئے اورسیاسی دین پسندوں کے تفسیری امام بن گئے اور زمانے تک تفسیر کومشق ستم بنایا۔مشکل یہ ہے کہ عوامی مزاج کے لئے ٹی وی پرآجانا کسی کے بڑاعالم ہونے کی دلیل بن جاتی ہے۔اللہ کا دین اوراللہ کا کلام یتیم نہیں ہے کہ کسی کے ٹی وی پرآنے سے انھیں تقویت مل جائے گی،کسی کی سیاست بازی سے انھیں طاقت مل جائے گی۔

حدیث وعلوم حدیث کی تدریس کا حال برصغیر میں عجیب ہے۔صحاح ستہ کا مدارس میں دوربھی ہوتا ہےاوران کی تدریس محبت رسول کی دلیل بھی بنتی ہے۔مگرحالت یہ ہے کہ برصغیر کی سرزمین حدیث اورعلوم حدیث کےحق میں جارح ہے۔اہل حدیث حلقے کوچھوڑ کر اورکچھ سنجیدہ حضرات کوچھوڑکر حدیث کے متعلق لوگوں کا عجیب مسخرہ پن ہے۔علی گڑھ کی سرزمین میں انکارحدیث یا تشکیک فی الاحادیث کی پودلگی اورپھریہیں سے ہندوستانی اعتزال کو بڑھاوا ملا ہیں۔اس فکر سے شبلی، چراغ علی، مولانا حمید الدین، مولانا اسلم جیراجپوری متاثر ہوئے۔مولانا اسلم جیراجپوری سے غلام محمد پرویز نے یہ ضلالت سیکھی۔علی گڑھ کے اس شجرخبیثہ سے مولانا حمیدالدین کے حوالے سے مولانا امین حسن اصلاحی اوران کے ذریعے غامدی گروپ کا منکرین حدیث کا ایک بڑا گروپ تیار ہوگیا۔علی گڑھ کے گمراہ کن افکار سے اصلاحی اور پرویز کے ذریعہ مودودی صاحب بھی متاثر ہوئے اورتحریکی حلقے کے باخبرلوگوں کے بیان کے مطابق تقریبا آدھا حلقہ انکارحدیث کا نظریہ اپنائے ہوئے ہوتا ہےاورمودودی صاحب کا گرویدہ ہرفرداس گمراہی سے متاثر ہے۔قریبا ۹۰ تا ۹۵ فیصد منکرین حدیث کا شجرہ انکارحدیث علی گڈھ سے ملتا ہے۔علی گڑھ کے اس فتنے کے اسیرعثمانی گھرانے کے عمرعثمانی اورحبیب الرحمٰن کاندھلوی بھی ہوگئے اورعلی گڑھ کے شجرہ انکارحدیث سے ایک منچلے علی گرین تحریکی کا تعلق ہے۔ادراک زوال امت برصغیر کے تمام منکرین حدیث کا ایک سرقہ ہے۔اس کا مصنف ایک خودساختہ دانشوراورزمانہ سازقلمکار ہے ایسا

قلمکار کہ اسے صحیح مفاہیم کے ساتھ چند جملے لکھنا نہیں آتا۔

حدیث سے عداوت کا ایک منظر عمر کریم پٹنوی اور شوق نیموی ہے اور وہ تمام حنفی علماء
جنہیں حدیث سے زیادہ حنفیت سے لگاؤ ہے اور جن کا کام رجال حدیث، علوم حدیث کی
حیثیت گرانا ہے اور احادیث کے طریقہ توثیق کو مسترد کرنا اور تاویلات کے ذریعہ احادیث کا
مثلہ کرنا۔ پانچویں دہے سے برصغیر کے دیوبندی علماء کرام پر کوثریت غالب آگئی
اور کوثریت، قبوریت، جہمیت اور رد حدیث اور علوم حدیث کا نام ہے حنفی تعصب میں اندھا
پن کا یہ شخص ایسا شکار ہوا کہ خصوصا حدیث وعلوم حدیث کی منزلیت کو تباہ کرنا اس کا سب
سے پسندیدہ مشغلہ بن گیا۔ سید احمد رضا بجنوری اور سید یوسف بنوری کی حدیثی تحریریں،
اسی طرح یہ خاک جہاں کا خمیر تھا قصید النصوص شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ نے اس نئے نام کے
ساتھ اور اپنے تطویل لاطائل حواشی کے اضافات سے اس کو شائع کیا اور علمی تحریفات کا ایک
نیا نقش قائم کیا۔

بہرحال حدیث وعلوم حدیث کے ساتھ یہاں کے لوگوں کے متضاد رویوں نے
احادیث پر غضب ڈھایا ہے اور سنت رسول وحدیث کا جو مقام ومرتبہ ہے اسے یہاں نہ مل
سکا، اسے مشق ستم بنایا جاتا رہا۔ فکر وفہم کے اعتبار سے بھی اور قدر ومنزلت کے اعتبار سے
بھی۔ اس برصغیر کے حدیث سے متعلق متضاد رویوں کے منظر نامے میں مظلوم اہل حدیث
ہیں۔ علماء ہی نہیں عوام بھی جنہوں نے حدیث کی قدر ومنزلت کو صحیح طور پر جانا اور دین میں
مطلوب اس کے مرتبے کو تسلیم کیا اور اس سے جذباتی لگاؤ رکھا اور ایمان وعمل میں اسے حرز
جان بنایا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے پانچ بنیادی اور ترجیحی ایجنڈے ہیں۔ (۱) دعوت (۲) تعلیم
(۳) اجتماعیت (۴) معیشت (۵) وحدت

مئی کے شمارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے ترجیحی ایجنڈے میں دعوت کا ذکر ہوا
اور تعلیم کے سلسلے میں کچھ باتیں عرض کی گئیں۔

تعلیم کے سلسلے میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ دینی اور سیکولر دونوں تعلیمات میں مسلمانوں کو
امتیازی ڈھنگ حاصل کرنا ضروری ہے تا کہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی پوزیشن
میں ہوں۔ دینی تعلیم سلف صالحین کے منہج کے مطابق حاصل کرنے اور دینی علوم میں گہرائی
پیدا کرنے اور سماج میں ان کی جڑیں پیوست کرنے سے دین کی پکڑ معاشرہ پر مضبوط ہوگی۔

اصلی منہجی دینی علوم کی تعلیم میں کوتاہی، غفلت اور سطحیت جس قدر بڑھتی جائے گی مسلم
سماج اتنا ہی کھوکھلا ہوتا جائے گا۔ جس قدر علوم دینیہ میں گہرے اور ثقہ علماء پیدا ہوں گے اسی
کے بقدر لوگوں کی وابستگی دین سے مضبوط ہوگی۔ اقلیت میں ہونے کے ناطے دین کے تحفظ
کی کل ذمہ داری ہمارے سر پر ہے اس لئے دین اور علوم دینیہ کے تحفظ کے لئے ہمیں قربانی
دینی ہوگی۔ مدارس میں تعلیمی معیار میں کھچر نصاب تعلیم کا رواج پایا جارہا ہے۔ یہ فیشن تعلیم
وتربیت دونوں کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ اسے عام نصاب بنانا دینی تعلیمی پالیسی کے
ہم آہنگ نہیں ہے۔ ایک خاص دائرے میں ایسے نصاب کے طلبگاروں کے لیے ہلکے پھلکے
انداز میں رکھا جاسکتا ہے تا کہ اگر اس سے سیکولر تعلیم حاصل کرنے والے فائدہ اٹھانا چاہیں
تو ان کے لیے ایسی تعلیمی سہولت میسر ہو۔ اسٹریم نصاب تعلیم کو کھچر نصاب تعلیم بنانا اسے
چوپٹ کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے چوطرفہ دینی تعلیم کا نقصان ہوا ہے اور جماعت
کے لئے مطلوب تعداد میں علماء نہیں مل رہے ہیں۔ میں یہ بات بڑی دردمندی سے کہنا چاہتا
ہوں۔ ایسا نصاب دینی تعلیم کے طلبگار طلبا پڑھنا بھی نہیں چاہتے ہیں۔ اور وہ طلباء جو سیکولر
یونیورسٹیوں میں جانا چاہتے ہیں ان کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں ہے اور دینی نصاب اس
لئے بھی نہیں ہے کہ سیکولر یونیورسٹیوں کے ہم آہنگ بنایا جائے۔ دینی نصاب کا مطلب یہ
ہے کہ دینی علوم میں گہرائی حاصل ہو تا کہ دینی حکمت وبصیرت عام ہو۔ کھچر نصاب تعلیم سے
صرف دینی نصاب تعلیم کا نقصان ہوا ہے اور دن بدن اس سے سطحیت بڑھے گی۔ دینی
نصاب تعلیم کے ساتھ مکمل ہائی اسکول کے نصاب کا لاحقہ دینی علوم کے ساتھ بہت بڑا ظلم
ہے اور سیکولر اسٹیٹ میں جہاں دین اور دینی علوم کے مواقع کم ہیں مدارس میں سیکولر نصاب

لاگوکرنا دینی حس اورملی دیانت داری اوردینی تعلیمی پالیسی کے سراسر خلاف ہے۔ باطل نظریات اورنظام جاہلیت کوایک دوپیریڈ میں پڑھایا جاسکتا ہے تاکہ علماء کونظام باطل کے متعلق خبر رہے۔سماجی ،اقتصادی، سیاسی نظریات اور کسی عالمی زبان کی تدریس دینی علوم کے ساتھ ہوسکتی ہےلیکن ان کی تعلیم نقد ونظر کے ساتھ ہواور ہفتے میں آٹھ پیریڈ کافی ہے۔

خچرنصاب تعلیم اہل حدیث مدارس کے لیے بہت بڑا روگ اور دردسر ہے۔ یہ تجربہ انتہائی ناکام تجربہ ثابت ہوا ہے۔اس کی باز دید ہونی چاہیے اورخچر نصاب تعلیم مدارس کا ایک جزئی اورضمیمہ قسم کانصاب ہو، ہلکا پھلکا ہودوسال کا اور یہ سیکولراسٹریم میں جانے والے لوگوں کے لیے ہو۔دینی نصاب تعلیم کوخچر نصاب تعلیم سے بچانا اوراس دلدل سے نکالناایک دینی تقاضا ہے۔ ویسے بھی دینی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے مراسلاتی کورس، سمرکورس، قلیل مدتی کورس مختلف زبانوں میں اورمختلف اقسام علوم پر تیارکرنا چاہیے تاکہ دینی تعلیم کی پہنچ دور دورتک بن سکے اورزیادہ سے زیادہ لوگ دینی علوم سے مستفید ہوسکیں۔عربی مدارس میں اب تک اس کی طرف دھیان نہیں دیا گیاہے۔ بے مطلب ناکام عالمی کانفرنسوں کے بجائے نتیجہ خیز کام کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔سستی شہرت کے پیچھے بھاگنا انسان کے لیے بہت پرکشش ہوتا ہےلیکن محنت طلب کام سے جی چرانا انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔

سیکولرتعلیم حاصل کرنا بھی مطلوب ہے۔ بنیادی تعلیم سے لے کر گریجویشن اوراعلیٰ تعلیم، پیشہ وارانہ اوراختصاصی تعلیم سب مطلوب ہیں۔تعلیم کے ہمہ جہتی موثرات ہیں اور ہرقسم کی صنف تعلیم کی ضرورت ہے۔مسلم اقلیت ایک بڑی اقلیت ہے۔اس کی ترقی اورتحفظ کے لیےتعلیم نہایت ضروری ہے۔ ملک کی آبادی کی مختلف اکائیاں جواپنی الگ شناخت رکھتی ہیں اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتی ہیں اوروہ اپنی ذات، برادری اورعلاقائی شناخت کی اساس پراپنے مستقبل کے لیےفکرمند رہتی ہیں۔ پورے ملک میں مسلم کمیونٹی میں بہت سےلوگ ذات برادری مذہب اورعلاقے کی اساس پراپنی شناخت رکھتے ہیں مگربطور مسلم

امت یابطور مسلم برادری مسلک جماعت اورعلاقے مسلمانوں کے پاس اپنی تعلیم کے لیے مضبوط بندوبست نہیں ہے۔غربت کے سبب مسلم بچوں کی اکثریت علمی کاروان سے بالکل الگ تھلگ ہے۔مشرقی یوپی، بہار اور بنگال میں کم ازمکتب کی تعلیم سے غریب بچے بھی روشناس ہوجاتے ہیں ان خطوں کے سوا کیرلا میں سب سے زیادہ تعلیم کا بندوبست مسلمانوں نے کررکھا ہے۔ بقیہ شاید ہی کہیں غریب بچوں کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ جس قوم کے بچوں کی اکثریت کا تعلق علم سے نہ ہو وہ کوڑا کرکٹ ڈھیر پر چندی پلاسٹک اورکاغذ کے پرزے بٹورتے پھریں اورکھانا تلاش کریں اس قوم کا مستقبل کیا ہوسکتا ہے؟ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔غوغائی نیتائی اورمنصب کی جلوہ آرائی کے متلاشی اگراپنی جدوجہد اورسرگرمیوں کو برباد کرنے کے بجائے ان لاوارث اورغریب بچوں کوتلاش کریں توبہتر ہے۔ ذہانت سے اللہ تعالیٰ نے غریبوں کوبھی نوازا ہے۔ بسا اوقات ایک ذہین فرد پوری قوم کا بہت بڑا سرمایہ بن سکتا ہے۔اگرہم ملت کے بچوں کی اکثریت کوعلمی وتعلیمی کارواں سے کاٹ دیں تو یہ ملت کے لیےایک بوجھ کےسوااورکیابن سکتے ہیں۔جو بچے تعلیم سے جڑتے ہیں ہائی اسکول تک جاتے جاتے مالی مشکلات کا شکار ہوکر بڑی تعداد میں ڈراپ آؤٹ ہوجاتے ہیں۔ بہت کم تعداد گریجویشن، آفٹرگریجویشن کرپاتے ہیں اور بہت کم پروفیشنل اوراعلیٰ تعلیم حاصل کرپاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ طے ہے کہ ملک کی سیاسی، اقتصادی، صنعتی اورتعلیمی اور وسائل معیشت میں ہماری حصہ داری سب مختصر ہوسکتی ہے۔اگرایسے شہروں میں جہاں مسلمان اقتصادی طور پرخوش حال ہیں مالدار بچوں کی تعلیم ترقی کے لئے انتظامات ہیں یا انتظامات کیے جاتے ہیں یا فیشن کے طور پر ایسا انتظام ہے تو یہ دلیل نہیں ہے کہ تعلیمی کے مسئلے میں سب خیر ہی خیر ہے۔قوم کی تعلیمی سرگرمی پیش رفت، ملت کے لئے انھیں تیار کرنا اورمسلم امت کا انھیں سرمایہ بنانا، تعلیم میں کمی زیادتی سے مسلمانوں کے انحطاط یا ترقی کی پیش رفت کا پیمانہ طے کرنا اورناپنا اورتعلیم کے لئے نونہالان امت کے لیے راہ علم متعین کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔لیکن کیا ملت کے پاس

یہ سوچ ہے؟ یہ احساس سود وزیاں ہے؟ سرگرمیاں، توانائیاں اور سرمایہ ہے؟ مسلمانوں کے پاس سرے سے قومی یا علاقائی کسی پیمانے کی تعلیمی پالیسی نہیں ہے اور اب مسئلہ مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

اصل تو یہ ہے کہ ہمیں نہ اپنی تعلیمی پوزیشن معلوم ہے، نہ ہمارے پاس تعلیمی ادارے ہیں کہ مسلم بچوں کے لیے کافی ہوں۔ نہ تعلیمی سہولیات نہ اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ نہ مثالی اسکول اور کالج ہیں۔ جو جہاں ہے اپنے اپنے مسائل سے جوجھ رہا ہے۔ مسلم کے نام کے ساتھ علی گڈھ میں ایک یونیورسٹی ہے۔ اس کا اور اس کے بانی کا لوگ اتنا نام لیتے ہیں کہ اتنا اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے ہوں گے۔ سوا سو سال سے زیادہ اس ادارے کی عمر ہے۔ اس سے کسی ضلع کے مسلمانوں کی تعلیم نہ پوری ہو سکی۔ بڑبولے پن کا شکار بھیا بھتیجوں کی یہ یونیورسٹی مسلمانوں کو سیکولر تعلیم کی پالیسی اور ماڈل نہ دے سکی۔ یہ تو بڑی بات ہے علی گڑھ شہر کے باشندوں کو اس سے کوئی تعلیمی اقتصادی اور سیاسی وسماجی رہنمائی نہ مل سکی۔ علی گڑھ میں ایک لاکھ مسلم بچے ہوں گے جو بچہ مزدوری میں لگے ہوئے ہیں اور یونیورسٹی کے سائے میں بےعلم جی رہے ہیں۔ یہاں بہروپیے، خودغرض، شکم پرور، مفاد پرست عناصر کی بہتات ہے۔ انھیں علمی حیوان کہہ سکتے ہیں اور یونیورسٹی کو ان حیوانوں کا باڑہ۔

جب سے تعلیم کمرشیلائزیشن کا شکار ہوگئی ہے اور تعلیم مافیا بکثرت پیدا ہوگئے ہیں اور حکومت تعلیم کی طرف سے بے پرواسی ہوگئی ہے غریبوں کے لیے تعلیم مزید مشکل ہوگئی ہے اور درس گاہوں کی تعلیم نکمی ہوکر مہنگے کوچنگ پر انحصار کرنے لگی ہے غریب مزید پٹ گیا ہے۔

یہی صورت حال رہی تو مسلمان ہر شعبۂ حیات سے کٹ جائیں گے اور صرف حاشیے پر زندگی گذارنے کے لیے مجبور ہوں گے اور تو اور ممبئی میں ایک میڈیائی دعوتی جوکر پیدا ہوئے ہیں انہوں نے تعلیم پر بھی نظر عنایت کر ڈالی ہے اور جمبوجٹ معیار کا ہوائی تعلیمی معیار قائم کیا ہے اور تمام تعلیمی مافیا سے بڑھ کر تعلیمی مافیا بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہوس

پرستوں سے مسلمانوں کو نجات دے۔ آمین

تعلیم مافیا کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اتنے زر پرست ہیں کہ تعلیم کے تقدس کو پامال کر کے رکھ دیا ہے اور تعلیم کی باقی ماندہ اخلاقیات کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ سارے اقدار تعلیم بے وقعت ہوگئے ہیں۔ تعلیم وتعلم کے سارے رشتے فرسودہ ہو چکے ہیں۔ تمام دیگر بےثمر جہود کے بجائے اگر مسلمانوں کے ترجیحی ایجنڈوں میں تعلیم شامل ہو تو یہ نہایت خوش آئند بات ہوگی۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے حکومت نے بہت سے منصوبوں کا اعلان کیا لیکن ان منصوبوں کو ظالم اور متعصب بیوروکریسی کے ایسے بروج مشیدہ میں رکھا گیا ہے کہ وہاں تک پہنچ صرف غلط کاروں کی ہو سکتی ہے، ایک شریف مسلمان ان کے صرف خواب دیکھ سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ اپنے مستقبل کا تعلیمی منصوبہ بنا سکیں اور اسے چلا بھی سکیں۔

یہ طے ہے کہ جو قوم اس دور میں تعلیم میں پیچھے ہے وہ زندگی کے ہر دوڑ میں پیچھے رہے گی اور وہ اپنی زندگی کا خاکہ خود نہیں بنا سکتی، نہ اپنے متعلق خود فیصلہ کر سکتی ہے۔ دوسرے ہی اس کے حال اور مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ وہ خود اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ہندوستانی مسلمان جس طرح تعلیم میں پیچھے ہیں اور دن بدن پیچھے جا رہے ہیں ان کے اس پچھڑے پن کا علاج کوئی نہیں ہے۔ دوسروں کی کاسہ لیسی یا دوسروں کے پیچھے بھاگنا ہماری پستی کا علاج نہیں ہے۔ امت محمدیہ کے افراد تعلیم میں دوسروں سے پیچھے ہوں یہ ان کی فطرت کے خلاف ہے (لیکن خود کردہ را علاجے نیست) اس وقت مسلمانوں کے اندر تعلیم کے نام پر کام کرنے والوں کے اوپر سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تعلیم کو مقدس فریضہ مان کر اور تعلیمی قدروں کو زندہ رکھتے ہوئے تعلیمی کام کریں۔

۳۔ اجتماعیت

اجتماعی نظام زندگی کسی بھی فرد اور جماعت کی بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اسلام کا اجتماعی نظام، عدل، معاونت، مساوات، مواسات، مناصحت، امانت اور مشاورت پر قائم

ہے اوراس کا امتیاز ایمان، تقوی اوراخلاص ہے۔ ان امور پر قائم معاشرے میں اپنائیت، ہمدردی، محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور ہرفرد دوسرے کے لیے فلاح اور بقا کا ذریعہ ہوتا ہے۔ فکروخیال اورعقیدہ وعمل کی یکسانیت ان کے اندر مضبوطی اورتوانائی لاتی ہے۔ حقوق ومعاملات، آداب واخلاق کی مفصل تعلیمات کی اساس پر ایک دوسرے سے بندھ جاتا ہے۔ خوشی وغم میں ہرایک دوسرے کا ساتھی ہوتا ہے، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتا ہے۔ گرتے کوسہارا دیتا ہے، برائیوں کو پنپنے نہیں دیتا، بھلائیوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ ہرایک دوسرے کا وفادار اورغمگسار ہوتا ہے۔ ایک امت کے افراد ہوتے ہیں۔ امت سارے مسلمانوں کا ایک کنبہ ہوتی ہے۔ زندگی کی حرارتوں، سرگرمیوں نفع ونقصان میں ایک ساتھ ہوتے ہیں اورسب مل کرفرد سماج اورملت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اس اجتماعیت میں اہل حل وعقد کا سب سے بڑا رول ہوتا ہے۔ حسن نظم اور کارگردگی، احساس ذمہ داری اورشعورعمل اس کا امتیاز ہوتا ہے۔

اسلامی اجتماعیت میں یہ داخل ہے کہ اسلامی معاشرہ ہرقسم کے چھوٹے بڑے جرائم سے پاک ہو۔ اوراگرافراد سے سماجی غلط کام ہوجائے توفوراً اس کا تدارک ہواورانفرادی خطاؤں میں انسان کا ضمیر حساس ہواوراللہ کا خوف اس کا نگہبان ہو۔ اسے خطاؤں کے ارتکاب میں شرمندگی ہو۔ بھول چوک سے یا قصداً اگرغلطی ہوجائے توانسان اس پر اصرار نہیں کرتا۔ خودغرضی، مفاد پرستی، حق تلفی، کاہلی، کام چوری، کبروغرور کا اظہار نہ ہو، دھوکہ فریب نہ ہو۔ کسی کی توہین اوربے عزتی نہ ہو۔ مسلمان مصیبت میں خودکوتنہا نہ محسوس کرے۔ کوئی کسی ظلم وخیانت کا شکار نہ ہو۔ مصالحت کا ماحول برقراررہے۔ حق وانصاف کا جھنڈا بلند رہے۔ مسلمان کومسلمان ہونے کی بنا پرعزت واحترام ملے، مال ومنصب امتیاز وشرف کا باعث نہ ہو۔ ہرمسلمان دوسرے کی جان مال اورعزت کا رکھوالا ہو۔ جومسلمان جہاں بھی آباد ہوساری اسلامی اخوت، قرابت اورمعاونت کا حقدار بن جائے۔ دین اجنبیت کے سارے پردے اٹھادے اوراخوت کے سارے قمقمے جلادے۔ اسلام میں عمر کے تقاضوں کا

لحاظ ہے۔ بڑے احترام کا استحقاق رکھتے ہیں اورچھوٹے شفقت کا۔ اور ہرفردملت کا سرمایہ ہے۔ مسلم معاشرے نے بڑے مردعورت، غریب محتاج، عالم جاہل کوبحیثیت انسان یکساں اعتراف واحترام عطا کیا ہے تفاضل کا اعتبار صلاحیتوں کی بنیاد پر ہے۔

بدظنی، غلط فہمی، کذب، خیانت، ظلم وستم، جاہلانہ عصبیات، رنگ ونسل، کنبہ، قبیلہ، برادر واد، علاقائیت، پیشہ کے امتیازات اسلامی معاشرہ میں مردود ہیں۔ باہم افساد وبگاڑ پیدا کرنے کے سارے حربے باطل قرار دیئے گئے۔ مسلم معاشرے میں اجتماعی وحدت کوفروغ دینے کے لیے شذوذ پسندی، انفرادیت پسندی، غوغائیت، باغیانہ روش۔ حیل وموامرت کے سارے باطل رویوں کومسترد قرار دیا گیا۔ مسلم سماج میں اگر بگاڑ موجود ہوتواس سے تبری اختیار کرنے، اس پر جاہلیت کا فتوی جڑنے، ارتداد اورکفر کی لیبل لگانے کے بجائے اس کی اصلاح کا اہل ترین صالح افراد کوذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

مسلم معاشرے میں بدعات، منکرات اورشرکیات کی تردیداوران سے تبری کا حکم دیا گیا ہے لیکن افراد سے اس وقت تک تبری کا اختیار نہیں ہے جب تک اصلاح، تذکیر، انذار اوراتمام حجت نہ ہوجائے۔

مسلم معاشرے میں جمعہ وجماعت کا اہتمام اہل حل وعقد پر واجب ہے اورتذکیر وتربیت کا کام علماء اثبات پر لازم ہے۔ مسلم معاشرے میں ہرفرد کا اجتماعیت سے جڑا رہنا لازم ہے۔ اپنی فردی زندگی میں بھی ایک مسلمان اجتماعی فریم سے باہر نہیں جاسکتا اوراجتماعی امورمیں اہل حل وعقد پر مشاورت کے ذریعہ اعتماد کرنا لازم ہے اجتماعی امورمیں خودرائی قطعا درست نہیں ہے۔ خودرائی کوزہر قاتل قرار دیا گیا اوراسے فتنہ بتلایا گیا۔

مسلم معاشرہ کوایتام، ایامی، اپاہج، غریب، محتاج، عمردراز انسانوں کا نگراں اورکفیل ٹھہرایا گیا اورمریضوں ومسافروں کوخصوصی مراعات دی گئیں۔ خادم خلق کوصوام اورقوام کا ہم پلہ بتلایا گیا۔ علم کوعام کرنے کی تلقین ہوئی اورعلوم دین کی اشاعت کوکارنبوت قرار دیا گیا اورعلماء کوانبیاء کا وارث بتلایا گیا۔

کہیں بھی اور کسی بھی دور میں اسلامی اجتماعیت کی ان تعلیمات اور شاندار اصولوں کی تعمیل وترشید کا سو فیصد امکان ہے۔اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔اگر ان اجتماعی تعلیمات پر عمل ہو تو مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے اور ساری دنیا کے لئے ایک مثال قائم ہو سکتی ہے۔ان امور پر اصلاح معاشرہ کے لیے کوئی توجہ نہیں ہے اور دین وملت کے نام پر شہرت کیش کرنے کا شوق فراوان کا حال نہ پوچھئے۔جو لوگ دین کے ٹھیکیدار بنتے ہیں اور بلاوجہ دین وملت کے لیے ان کے پیٹ میں درد ہوتا ہے انہوں نے کبھی فرد وسماج کی اصلاح وترشید کے لیے ان اجتماعی امور کو سامنے نہیں رکھا۔جو اپنے بس میں کرنے کا ہے اسے کرنے کی توفیق نہیں ملتی اور شیر خان بننے کے لیے ہرا یرے غیرے ابن الوقت نفس پرست اور خود غرض کی انتہا فکر وعمل بس یہ ہے کہ چند لوگوں کو اکٹھا کر کے اور الٹے سیدھے بیانات دے کر اور فوٹو کھنچوا کر بہت بڑے کام کا کریڈٹ لینے کے لیے دیوانہ پن کا ثبوت دیتے ہیں۔آج غوغائیت پسند میڈیا کے شیر اور ہیرو بنتے ہیں اور اصلا زیرو ہوتے ہیں بلکہ پاجی نکمے اور دھرت ہوتے ہیں۔ملت ڈوب رہی ہے اور ہر طرح کی مشکلات کا شکار ہے اور کاغذی شیر ذاتی مفاد کی خاطر گدھ بنے اس کی بوٹیاں نوچتے ہیں۔فقراء، ایتام، ایامی اور تعلیم ومساجد کے نام پر کتنے ملعونوں کی تجوریاں بھر رہی ہیں۔ایسے لوگ جو یتامی اور ایامی کے نام پر دین کا استحصال کرتے ہیں اور جائداد بناتے ہیں ان کے دار الایتام اور بروتھل میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ایک دین کے نام پر انھیں کمائی کا ذریعہ بناتا ہے اور دوسرا جنس کے نام پر ان کے ذریعہ کماتا ہے۔اجتماعی اسلامی تعلیمات کے برعکس فرقوں کی کثرت ہے بلکہ ایک فرقے میں دسیوں افراد کے نام دسیوں فرقے گروپ اور جماعتیں ہیں۔ مدرسوں اور اداروں کے نام پر گروپ بندیاں ہیں۔مفادات مصالح، مسلک، اشخاص اور سیاست کے نام پر گروپ بندیاں، تکفیر، تفسیق، تبری وتفریق کی ایسی مارا ماری ہے کہ اللہ کی پناہ۔جمہوریت کے سہارے ہر طرف خودرائی کی بنیاد پر عموما نا اہلوں، خائنوں اور بدکرداروں نے دینی تعلیمی رفاہی ادارے کھول رکھے ہیں اور جونک کی طرح خیرات

کے پیسوں پر پل رہے ہیں۔(یظہر فیکم السمن) کا مظاہرہ کرتے ہیں۔خدمت دین اور خدمت خلق کے نام پر خیانت کا بازار گرم ہے۔سیاست کی راہ سے عناصر شر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور دینی وملی شناخت کو تاراج کرتے ہیں اور ہر طرف خیانت، لوٹ، غریبوں کی عزت وآبرو کے ساتھ کھلواڑ ہوتا ہے۔مال ومنصب کے نخرے امتیازات اور تفاوت غربت اور جہالت کی مار، رسوم ورواج کی جکڑن اور انسانیت تک کی تاراجی، ذات برادری کی خلیج اور نا ختم ہونے والی دوریاں، علاقائی اور لسانی تعصّبات وتفاوت، سماجی ظلم وستم، لڑائی جھگڑے، دوریاں، نفرتیں، مقدمے، قتل وخوں ریزیاں، بچیوں اور عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک، شرک اور بدعات کی کثرت، خیانتوں اور حرام خوریوں کا عام چلن، بے پردگی، فیشن اور ماڈلوں کی نقالی۔فسق وفجور اور معصیت، جنسی استحصال، زنا کاریاں، اغلام بازیاں، امراض، اپاہج پن، ساری الا بلا مسلم سماج میں ہے اور پھر گندگی، پھوہڑاپن، آبادی کی کثافت، جھگی جھوپڑی کی زندگی، کنکریٹ سلم علاقے، سول سہولیات کی ابتری، حقوق کا ضیاع غرضیکہ سارے اسلامی اجتماعی خصائص ضائع اور ساری اجتماعی برائیاں موجود۔

سارے غوغائی، انقلاب پسند، بے شعور، بدعقل پھوہڑ اس گئے گزرے معاشرے میں اسلامی انقلاب لائیں گے جسے زندگی کا ادنی سلیقہ بھی معلوم نہیں اور جہاں زندگی کی ساری سہولیات عموماً ندارد۔گھر کا گند اور کوڑھ دیکھنے کی توفیق نہیں۔اور یہ ہوائی باتیں کرنے والے افسادی اور فتین عقل وخرد اور انسانیت تک سے عاری اور غفلت میں حماقت کی انتہا کو چھونے والے دیوانے جنھیں گھر کے آنگن کی گندگی کی بھی خبر نہیں چلے ہیں اسلامی انقلاب کی بات کرنے۔سارے کے سارے غوغائی چاہے کوئی فرنٹ ہوں یا طلباء انجمن یا جماعت و پارٹی یا انفرادی سوچ رکھنے والے سب کے سب زمینی حقیقت کا انکار کر کے افساد وفتنہ کا دھندا کرتے اور اپنی حماقتوں کے گنبد میں جیتے ہیں۔

اگر مسلم امت کی بہبودی کی فکر ہے اور مسلمانوں کی سماجی حالت درست کرنا بہت

ضروری ہے اور یہ جو امت کے بجائے انبوہ بن گئے ہیں اور ہر ہر فرد دوسرے سے ٹوٹا اور بکھرا ہوا ہے اسے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اگر امت کے افراد کو دینی اجتماعی اصولوں کی بنیاد پر جوڑا نہ جاسکے اور جھگیوں اور جھوپڑیوں کی تاریکیوں کو دین تہذیب اور علم کے نور سے دور نہ کیا گیا، دیہاتوں کو سماجی اڑچنوں، باہم جدال ظلم وستم اور خیانتوں جہالتوں سے پاک نہیں کیا گیا، شہروں میں بسنے والے گھنی آبادی کے سفید پوش قزاقوں، فسادیوں، دبنگوں کو راہ راست پر نہیں لایا گیا، رسوم رواج کی جکڑن، نسل ورنگ، لسانی وعلاقائی تعصّبات ذات برادری کی مہلک جاہلی امتیازات کو دور نہ کیا گیا تو کیا امت اور کیسی اصلاح اور کس طرح کا انقلاب۔

سب سے بڑا تفرق اور انتشار مسلکی تعصّبات اور تکفیری فتاوی ہیں اور خدمت دین خدمت خلق کے نام پر افراتفری اور ڈکیتی ہے۔ ان کو ختم کرنا اور اجتماعی مذکور اعمال بجالانا ضروری ہے۔ کرنے کے کام یہ ہیں نہ کہ انقلاب کا خیالی پلاؤ۔ اور سب سے خطرناک شرک وبدعات اور مظاہر شرک ہیں جن کو تحریکی درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور ان کی تردید کے متعلق رد عمل میں منافقین مدینہ کی طرح گردن جھٹکتے ہیں۔ واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا روسھم ورایتھم یصدون وھم مستکبرون شرک وبدعات کی قباحت عظیمہ کا شعور نہیں اور ان کی اصلاح اور تردید کا نام سن کر تعجب سے گردن جھٹکتے ہیں اور راہ اصلاح میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

دراصل مسلم سماج کی درستگی بہت اہم ٹاسک ہے۔ مسلم سماج کا فرد، گروپ، گھر، در، گلی، کوچہ، محلّہ، اسکول، مدرسہ، سڑک سب بگڑا ہوا ہے۔ اندر باہر سب کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مسلم سماج اپنے بگڑے اخلاق کے اعتبار سے خونخوار درندہ بن گیا ہے۔ اپنی رہائش کے اعتبار سے عموما اس کا علاقہ جانوروں کا باڑا بنا ہوا ہے۔ بگڑے اسکول، ٹوٹی سڑکیں، بدبودار جھوپڑیاں اور جھگیاں، گندے بچے، جاہل لوگ، اوپن نالی، صحت وتعلیم کی سہولتیں ندارد، قبرستان پر قبضے، بجلی کی آنکھ مچولی، کوڑا کرکٹ ہر نکڑ پر جمع جسے بچے اور کتے

پھیلاتے ہوئے، مکھیوں اور مچھروں کی آماجگاہ، لوگ باہم دست بگریباں، دل ودماغ تنگ وتاریک، نہ صاف ہوا، نہ صاف ماحول، نہ سبزہ زار، مساجد جھوٹی کہانیوں اور بدبودار لوگوں سے آباد اور منبر تکفیر تفسیق اور اختلاف کی صدا لگانے کے لیے۔

اس بگڑی حالت پر غور کرنے کی فرصت نہیں اور کہیں پاگلوں کا جتھا پاپولر فرنٹ بنائے ہوئے۔ فساد وافساد کے درپے اور کہیں ویلفیئر پارٹی کا ڈرامہ۔ کہیں طلباء کی مجنونانہ ہنگامہ آرائی۔ یہ مجانین اگر اب بھی اصلاح کرلیں اور منہج صحابہ کے مطابق اصلاح وترشید کا کام کریں اور خمینیت کے ملعون منہج سے دوری اختیار کرلیں تو کیا بہتر ہو۔

کسی بھی گروپ اور جماعت کی طاقت اس کی اجتماعی طاقت ہے۔ اگر یہ اجتماعی طاقت جو اسلام کو مطلوب ہے مسلمانوں کے اندر آجائے تو وہ دنیا کے امام تسلیم کرلیئے جائیں اور دنیا سر کے بل چل کر ان کے پاس آئے اور ان سے اپنے غموں کا علاج اور اپنے درد کی دوا کا طالب بنے۔ بکھرے ہوئے سماج، ہزاروں لاکھوں انتشار کی شکلوں سے بوجھل، شرک وبدعات، معصیت، باہمی ظلم وجور اور خیانتوں میں ڈوبی قوم کا کیا وزن کوئی محسوس کرے گا۔ ایسے مریض، جاہل اور غریب سماج کی کسی کی نگاہ میں ویلیو ہی کیا ہوتی ہے۔ کس انقلاب کا بوجھ ایسے کمزور بکھرے اور مریض کندھے اٹھاسکیں گے۔ جہل اور غربت سے دوچار اور اپنے اپنے مسائل ومشکلات میں پھنسے لوگ کوئی بڑا کام نہیں کرسکتے۔ دنیاوی سیاست کے زیر وزبر میں بس جھولا جھول سکتے ہیں۔ اتنی موٹی سی بات نہ مودودی صاحب کی عقل میں سمائی، نہ ان کے مریدوں کو سجھائی دی اور زندگی بھر فساد اور فتنوں کا کام کرتے رہے یا بش بیٹنگ کرتے رہے۔ والعیاذ باللہ

ترجیحی ایجنڈے میں اب تک دعوت تعلیم اور اجتماعیت کا ذکر گذرا۔ آج کی مجلس میں ان ایجنڈوں میں سے چند ایک کا تفصیلی تذکرہ ہوگا۔

۴۔ معیشت

اقتصادی حالت کا اندازہ قومی پیداوار سے لگایا جاتا ہے اور فی کس سالانہ آمدنی سے

اس وقت ملک کی قومی پیداوار ایک کھرب آٹھ سوارب ڈالر ہے۔اس طرح سالانہ فی کس آمدنی تقریباً ساڑھے چودہ سوڈالر بنتی ہے۔

اس اقتصادی صورت حال سے مسلمان کتنا مستفید ہیں اور شہروں اور دیہاتوں میں ان کی آمدنی کا تناسب کیا ہے۔ یہ ایک حیران کن مسئلہ ہے۔ مختلف رپورٹوں کا اگر اعتبار کیا جائے تو مسلمان اس وقت ملک میں سب سے زیادہ غریب اقلیت ہے مسلم اقلیت کی سالانہ ملی فی کس آمدنی شہروں میں تین سو اور دیہاتوں میں دو ڈالر کے اندر ہے۔ سچر کمیٹی کے مطابق ٦٠ فیصد مسلمان ایک گز کے مالک نہیں ہیں۔ بچے قلت غذائیت کے شکار، ماؤں کی صحت تشویشناک اکثر پاخانوں کی سہولت سے محروم۔اکثر کوکنگ گیس سے محروم، اکثر ٹیلیفون لائن سے محروم۔ اکثریت جھونپڑ پٹیوں میں آبا صاف ستھرے پانی اور وسائل صحت سے محروم، رسل ورسائل اور اسے محروم کیجئے۔اسکولی تعلیم سے محروم۔زیادہ تر مزدور پیشہ بہت کم پیشہ وارانہ ہنر سے ہنرمند تجارت اگر ہے تو تجارتی یونٹیں کم ہیں اور گلوبل واردات وصادرات کے سبب بہت سی تجارتی وصنعتی یونٹیں خسارے میں ۔دیہاتوں میں زیادہ تر مزدور اور زراعت پیشہ بھیک مانگنے والوں کی کثیر تعداد۔

ملک کی تعلیمی، تجارتی اقتصادی اور دیگر ترقیوں سے انھیں جو حصہ ملا بہت کم ملا۔ تجارت تو تھی ہی ان کی دسترس سے باہر جب سے صحت اور تعلیم کے میدان تولید زر کا سامان بن گئے ہیں صحت اور تعلیم کا بوجھ ان کے لئے نا قابل برداشت بن گیا ہے۔

مجموعی طور پر اگر کوئی قوم غریب ہوجائے اور مصاف حیات میں حصول دولت میں دوسروں سے پیچھے رہ جائے تو اس کی ترقی کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔کسی بھی کام میں آگے بڑھنا ان کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔جو قوم جماعت اور گروپ مالی طور پر خود کفیل نہ ہو اس کی حیثیت گر جاتی ہے اور ملک کے لئے بوجھ بن جاتی ہے ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے اقتصادی بدحالی ان کو ہر طرح پریشان کرتی ہے وہ خود اپنے طور پر اپنی ملت کے مسائل حیات کو حل نہیں کر سکتے۔معاشی بدحالی کے سبب ان کے مسائل لٹکے رہ

جاتے ہیں کسی قوم کی اجتماعی اسپرٹ باہمی تعاون اور استقلال اسے کسی بھی بحران سے نکال سکتا ہے مشکل یہ ہے کہ مسلمان اس طرح کی اسپرٹ سے قطعاً خالی ہیں مالی بدحالی سے نکلنے کے لئے ان کے پاس کسی طرح کا حکومتی ملی پروگرام بھی نہیں ہے۔ دوسروں کو ریزرویشن ملتے ہیں انھیں یہ بھی نہیں ملتا۔مالی بدحالی کو دور کرنے کے لئے تجارت کا سب سے اہم رول ہے۔پچھلے دس پندرہ سالوں میں تجارت نے ان کو کچھ سنبھالا دیا ہے ظاہر ہے چھوٹی موٹی تجارت ہی ہوسکتی ہے بڑی تجارت کی نہ گنجائش ہے نہ اس کے لئے راہ مل سکتی ہے نہ بڑی تجارت کے لئے فائنس ہوسکتا ہے۔

بروقت بحیثیت مجموعی زراعت مزدوری چھوٹی موٹی پیشہ وارانہ تجارت اور کام اور چھوٹی موٹی نوکریاں ہی مسلمانوں کی معیشت کا دارومدار ہے۔ بہت کم تعداد میں بڑی تجارت یا بڑے ٹھیکوں کا کام کرتے ہیں۔

امت محمدیہ ہونے کے ناطے اس کے منصب اور دین کا فطری تقاضا ہے کہ وہ ہر شے میں خود کفیل رہے کسی ادنی شے میں دوسروں کا دست نگر نہ رہے۔معاشی کمزوری اسے کبھی سر اٹھا کر جینے نہ دے گی اور نہ اسے آگے بڑھنے دے گی۔اسلام میں انفرادی طور پر زہد اور فقر کے اختیار کرنے کی گنجائش ہے لیکن انفرادی طور پر زہد وفقر اختیار کرنے کی جو گنجائش رکھی گئی ہے وہ سلبی نہیں ہے انفرادی طور پر افراد خاص کے لئے بھی سلبی فقر وزہد اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے سب کچھ ہوتے ہوئے انسان مادیت میں انہماک سے تعفف اختیار کرے اور نہ ہونے پر شکوہ سنج نہ ہو بلکہ شرح صدر کے ساتھ رضا وتسلیم کے طور پر زہد وفقر اختیار کرے یہ پسندیدہ ہے استغنا کی شان باعث فضیلت ہے اور اجتماعی طور پر محتاجی فقر غربت اور عدم وبے زری معیوب ہے اور دریوزہ گری وتساہل کو حرام قرار دیا گیا۔اسلام میں معیشت عقیدے اور اخلاقیات کی اساسیات پر قائم ہے اور گردش زر کے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے ہیں۔اسلام میں سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں معیوب ہیں اور تولید کے حدود بھی متعین ہیں اور صرفیت زر کے بھی۔ اگر ان اصولوں کے مطابق مسلمانوں کی

معیشت نہ ہوتو امت خیر کی تشکیل نہیں ہوسکتی ہے اگر غیر اسلامی غیر دینی معیشت میں مسلمان سرگرم ہوں تو ان کے اور دوسروں کے درمیان فرق نہیں رہ جائے گا سودی معیشت مطلق صرفی معیشت تولیدی معیشت خیانتی معیشت جوانشہ اور حرام کی ساری شکلوں کی معیشت مسلمانوں کوامت خیر کے منصب سے اتار دیتی ہے۔

یہ بھی طے ہے کہ اگر امت محمدیہ کے لوگ قارونی خزانے کے مالک بن جائیں مگر اسلامی معیشت کا پاس ولحاظ کئے بغیر اور مال کو اسلامی طرح برتنے کا سلیقہ کھوکر تو ان کی مالداری اور معاشی خوش حالی ان کی فضیلت اور طاقت وقوت کا باعث نہیں بن سکتی۔ اسلامی اصولوں کو برتے بغیر اسلامی عقائد واخلاقیات کا لحاظ کئے بغیر مسلمانوں کو معاشی برتری حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایسی معیشت حیوانی معیشت بن سکتی ہے۔ (کلوا وتمتعوا ویلھھم العمل) کی آئینہ دار(یاکلون کما تاکل الانعام) کے مصداق ایسی معیشت مسلمانوں کو نہ عزت دے سکتی ہے نہ طاقت دے سکتی ہے ایسی معیشت مسلمانوں کو جانور کی سطح پر لاسکتی ہے۔

ذرا اندازہ لگائیے مسلمانوں کی حالت کا ایک طرف غربت ہے(کادالفقر ان یکون کفرا) کی سی غربت۔ دوسری طرف ان کی اقتصادی سرگرمیاں کم اور جو سرگرمی ہے وہ عموما غیر دینی اور غیر اسلامی ہے اور گھٹیا بھی ہے۔ مسلمانوں کی طاقت عزت اور وقار کے متلاشی مسلمانوں کی معاشی حالت پر غور نہیں کرتے۔ غربت کے اعتبار سے بھی اقتصادی سرگرمی کے اعتبار سے بھی اور حرام ذرائع معاش کی تلاش کے متعلق بھی طاقت عزت اور وقار کے مصادر وذرائع کو چھوڑ کر وقت کے اصنام افکار ورجال احزاب وجماعات کے پاس تلاش کرتے ہیں۔ یہ سب حساس دینی نقطے ہیں ان کو نظر انداز کر کے نہ دنیا مل سکتی ہے نہ آخرت مل سکتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق امت محمدیہ کا معاشی مسئلہ بھی اس کی شناخت، طاقت اور وقار کا مسئلہ ہے جو احمق زمانے سے حکومت الہیہ کے نام پر اپنی جہالت کی گرد اڑا رہے ہیں

اور کوؤں کی طرح بے وقت چلاتے رہتے ہیں اسلام کے ان ٹھیکیداروں نے طوطے کی طرح رٹے ہوئے تضاد اور نفاق کے سبق ہی انہوں نے دہرایا ہے۔ انھیں بھی کبھی اس کی توفیق نہیں ملی کہ امت اسلامیہ کے وقار نکھار رعنائی فکر ونظر اور ملی طاقت وتوانائی کے اس پہلو پر غور کریں اور بے تحاشا حرام خوری کے کیچڑ اور دلدل میں ملت اور افراد ملت کو گرنے سے بچانے کے لئے کم ازکم زبانی تلقین کرسکیں۔

مسلمانوں کو معاشی خوش حالی کی بھی شدید ضرورت ہے اور اس سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ معاش کو حلال بنایا جائے مسلمانوں کی اپنی بازیابی کا ایک اہم ترین فرنٹ یہ ہے کہ حلال کمائیں حلال کھائیں اور جائز جگہوں پر خرچ کریں۔ بفرض محال اگر مسلمانوں کی ساری آرزوئیں اس ملک میں غیروں کے سہارے برآئیں اور معاشی خوشحالی بھی مل جائے سیاسی سماجی تعلیمی حقوق بھی مل جائیں اور ان کے اندر تاب وتوانائی بھی آجائے پھر بھی وہ حرام کما کر حرام کھا کر اور ناجائز خرچ کر کے چند دنوں سے زیادہ سرسبز وشاداب نہیں رہ سکتے۔

بروقت صورت حال یہ ہے کہ امت اسلامیہ معاشیات کے فرنٹ پر کلی طور پر ناکام ہے معاشی بھاگ دوڑ میں نہ اس کو اسلامی اقتصادی اصول وضوابط کی پرواہے۔ نہ وقت کے حصول زر اور تولید زر کے جائز طریقوں اور وسائل سے آگاہی ہے نہ ان کی جانکاری میں دلچسپی ہے نہ حصول دولت کے فنی عملی اور نظریاتی جائز طریقوں کو سٹ اپ کرنے کا کوئی رجحان ہے جب کبھی اسلامی بینک کاری یا اسلامی فائنسنگ کی بات کہیں آتی ہے دین کا خود کو ٹھیکیدار سمجھنے والے ابن الوقت اور تضاد پسند اسلامی معیشت کا کسی گلی کوچہ میں سائن بورڈ لگا کر مگن ہولیتے ہیں اور یوں درشاتے ہیں گویا مسلمانوں کی اسلامی معیشت کا انہوں نے ٹھیکہ لے لیا۔

مسلمانوں کی تباہی اور اخلاقی طور پر پستی کی آخری حد تک پہنچ جانے کا منظر دیکھنا ہو تو مسلم سماج میں محلوں میں گلیوں میں کنبوں اور گھرانوں میں دیکھئے رزق کے ٹکڑوں

اور دولت کے سکوں اور زرزمین کے لئے کس طرح دین وایمان پر یلغار بپا ہے۔ اخلاق وامانت کی دھجیاں بکھر رہی ہیں اخوت کا گلہ کٹ رہا ہے علم وقار انسانیت اور مروت کا جنازہ اٹھتا ہے۔ نفرت عداوت لڑائی جھگڑے ایسے کہ جیسے جانور باہم چارہ کھاتے کھاتے سینگیں لڑاتے ہیں۔ فسادزرق نے مسلمانوں کو ریڑ کا درخت بنادیا ہے ۔ ریڑ کا درخت اپنی ساخت میں اتنا کمزور ہوتا ہیکہ چار سال کا بچہ بھی اسے گرا سکتا ہے جبکہ مسلمان شاہ بلوط ہوتا ہے۔

رزق کے ٹکڑوں پر مستقل خانہ جنگی کی حالت ہے ۔ مال حرام کے لئے مسلمان کتنا گر گیا ہے اس کو دیکھ کر ایک عام انسان فیصلہ کرسکتا ہے کہ امت اسلامیہ کی اخلاقی وروحانی موت ہو چکی ہے۔ وہ نہ امت رہ گئی ہے۔ نہ اس کا کوئی مشن رہ گیا ہے حرام روزی حرام کمائی اور ناجائز خرچ گھر گھر کی کہانی ہے ۔ دینی جماعتوں اداروں ، انجمنوں جامعات مدارس اوقاف مساجد مقابر خیراتی اور ویلفیر اداروں کی اس وقت کیا حالت ہے؟ کسے خبر نہیں وہاں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ دینی اداروں میں جنگ بپا ہے۔ مالی امتیازات، اور مادی استحقاقات کے جعلی دعوے ہیں اور ذمہ دار علماء حقیقت پسندی اور امانت داری کی سطح سے نیچے اتر کر مال حرام کے حصول کے لئے سارے گھٹیا رویے اپناتے ہیں۔ علماء کرام کی سیاسی بھاگ دوڑ سیاسی ، پکڑ دکھلا کر مالی سرخروئی کی تمنا، جوڑ توڑ کے ذریعہ سیاسی رسوخ اور پارٹی ذمہ داروں تک پہنچ بنانا کاسہ لیسی، فریاد مانگ طلب پر سارے حصول زر کے گھٹیا روے اور مذکورہ اداروں کو خوشحالی اور سیاسی پکڑ اور شہرت کا وسیلہ بنانا۔ یہ سب حرام کمانے کھانے اور حرام میں خرچ کرنے کی مستردمقبوح اور مشبوہ سرگرمی ہے ۔ استثنائی شکلیں مل سکتی ہیں جن میں حلال حرام کے درمیان تمیز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مال حرام کے حصول کے لیے دجل وفریب کی انتہائی رسوا کن صورتیں ہیں گداگری چاپلوسی عیاری کی ایسی قبیح شکلیں ہیں کہ انسان بھوک سے مرجانا گوارا کرلے لیکن گراوٹ اور پستی کے ایسے گڑھوں میں گرنا گوارا نہ کرے۔

اور عام زندگی میں ناجائز قبضے، دھوکہ دھڑی بے ایمانی جعلسازی مکر وفریب ناپ تول میں کمی جعلی دستاویزات جعلی اسناد کو ذریعہ منفعت بنانا۔ ردی مال سپلائی کرنا رشوت ستانی، جوا، شراب نشہ قتل زناکاری کے ریکٹ اور اسکیم سود وقمار کی ساری شکلیں جھوٹے وعدے جھوٹے مقدمے پیسہ کمانے کے لیے چوری دھوکہ جعل سازی کو اختیار کرنا اور مقدسات کو بیچ دینا۔ یہ اور ان جیسے گھٹیا۔

کاموں میں مسلمان بہت طاق ہیں اور جس کو دیکھو اس نے پھلنے پھولنے کا یہی وطیرہ بنالیا ہے اور یوں لگے ہے کہ مسلمان اسی میں سب سے زیادہ ایکسپرٹ ہیں ان میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ ہے امت اسلامیہ کی اسلامی معاشی شبیہہ۔

امت اسلامیہ حرام کھا کر اور رذائل کے معاشی پیشے اختیار کرکے سرخرو نہیں ہوسکتی نہ افراد امت بن سکتی ہے۔ ایسی قوم جس کی معیشت حلال نہ ہو وہ کھوکھلی ہوتی ہے اور آج کی دنیا کا کھوکھلا پن اس لئے ہے کہ اس کے پاس رزق حلال کسب حلال اور صرف حلال کا اہتمام نہیں ہے رزق حرام کسب حرام اور صرف حرام پر جہاں زور ہوتا ہے وہاں لوگ مریض فکر مریض سوچ اور مریض سیرت وکردار کے لوگ ہوتے ہیں وہاں کسی رعنائی فکر وخیال اور شادابی سیرت وکردار وطہارت قلب ونظر کا امکان نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کی ساری چلت پھرت محض ایک حیرانی اور سرگرانی ہوتی ہے۔

امت محمدیہ کے لیے معاشی راہ عمل متعین ہے مگر یہ سب جاننے کے باوجود بہت کم اس کا اہتمام ہوتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ ہندوستانی غربت کے شکار ہیں اور اکثریت غریبی کی لائن سے نیچے زندگی گذارتی ہے اور ساری احصائیائی رسمیات اور ان کی صحت وعدم صحت سے قطع ایک عام مشاہدے کی بات کریں تو یہ بات یقینی بن کر سامنے آتی ہے کہ ملک نے جس قدر اقتصادی ترقی کی ہے مسلمانوں کو اس میں سب سے کم حصہ ملا ہے ملک کا جب بٹوارہ ہوا تو معاشی طور پر ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ ایک طرف خسارہ اور دوسری طرف بھرپائی کا کوئی انتظام

نہیں تیسری طرف ملک کے معاشی مصاف حیات میں سب سے پیچھے اور حکومت کی طرف سے دی گئی معاشی تسہیلات سے اکثر محروم ہے چوتھی طرف خود بھی عملاً نے دم اندازہ لگایئے کیا ایک بے دم قوم بڑھتی رفتار حیات اور تیز گام زندگی میں کہاں ٹک سکتی ہے۔

جس طرح یہ بات طے ہے اسی طرح یہ بات بھی طے ہے کہ معیشت میں مسلمانوں کو ترقی چاہیے اور یہ ترقی اور پیش رفت حلال ذرائع اور مصادر اور کسب وصرف پر چاہیے۔ ورنہ معاشی ترقی اس کے غموں کا علاج نہیں۔ نہ اس کے منصب کے ہم آہنگ ہے نہ اس کی تعمیر وبقا میں حرام مال اس کے لیے مفید ہے۔

دنیا دولت کی پجاری ہے فرد اگر بے زر ہے تو وہ اپنی تمام قابلیتوں کے باوجود بے گھر بلکہ بد گھر ہے۔ اس آفت کے سبب انسان حیوان کی سطح پر آنے میں دیر نہیں کرتا ہے۔ اور انسان کی سب سے بڑی صلاحیت بنتی ہے خود غرضی انسان اگر خود غرض بن جائے تو وہ اس میں اتنا آگے زیادہ آگے نکل جاتا ہے بے رحم بھیڑیا بن جاتا ہے۔ اپنا فائدہ دوسروں کا نقصان اس کی پسند بن جاتی ہے اور وہ اپنی ذات کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔ اسے ہر حال میں یہی منظور ہوتا ہے کہ اس کا فائدہ ہو خواہ کسی طرح ہو ایک حرام خور ہر وقت ناآسودہ رہے گا اسے کبھی آسودگی مل ہی نہیں سکتی ہے۔ اس دنیا کی ناآسودگی کی کہانی یہی ہے اور ناآسودگی کبھی انسان کو چین سے بیٹھنے نہیں دے سکتی۔ وہ اسے ہمیشہ بے چین رکھے گی ۔ایسا انسان اور خاص کر چھوٹے پیمانے کا معاش طلب زر طلب اس طرح بن جاتا ہے کہ اس کی تنگ دنیا تاریک تر ہو جاتی ہے اسے اپنی ذات کے سوا نہ کچھ سجھائی دیتا ہے نہ کچھ دکھلائی دیتا ہے اس کے لئے دین اخلاق انسان جاندار مروت غیرت ہمدردی سب بے معنی ہوتے ہیں خیر وشر سب یکساں ہوتے ہیں امت محمدیہ کا فرد ہونے کا شعور وہ ختم کر دیتا ہے یا خود بخود اس کے اندر سے مٹ جاتا ہے اس کے غرض اور مقصد کے سوا سب کچھ اس کے لیے دھندلا ہو جاتا ہے۔

بطور فرد وسماج ایک دنیا میں باوقار توانا صاحب عزومنعت رہنا اس کا نشانہ ہے اور ان

کے حصول میں جہاں اساسی طور پر دیگر اسلامی امور ہیں ملحوظ حلال معیشت یا رزق حلال کسب حلال اور صرف حلال بھی بطور خاص ملحوظ ہیں۔

☆☆☆